اسی کی طرف تم لوٹائے جاؤ گے“۔

اور فرمایا:

﴿وَلَا تَدْعُ مَعَ اللّٰهِ اِلٰهًا اٰخَرَ لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ كُلُّ شَيْءٍ هَالِكٌ اِلَّا وَجْهَهٗ لَهُ الْحُكْمُ وَاِلَيْهِ تُرْجَعُوْنَ﴾ (القصص:۸۸)

”اور اللہ کے ساتھ کسی دوسرے کو مت پکارو، اس کے سوا کوئی معبود نہیں، اس کی ذات کے سوا ہر چیز فنا ہونے والی ہے، اسی کا حکم ہے، اور اسی کی طرف تم لوٹائے جاؤ گے۔“

اور فرمایا:

﴿ذٰلِكُمْ بِاَنَّهٗ اِذَا دُعِيَ اللّٰهُ وَحْدَهٗ كَفَرْتُمْ وَاِنْ يُّشْرَكْ بِهٖ تُؤْمِنُوْا فَالْحُكْمُ لِلّٰهِ الْعَلِيِّ الْكَبِيْرِ﴾ (غافر:۱۲)

”یہ اس لیے ہے کہ جب تنہا اللہ کو پکارا جاتا تو تم قبول کرنے سے انکار کر دیتے اور اگر اس کے ساتھ شریک مقرر کیا جاتا تھا تو تم مان لیتے، پس حکم تو اللہ ہی کے ساتھ خاص ہے، جو (سب سے) بلند اور (سب سے) بڑا ہے۔“

لیکن ان تمام آیات کے علی الرغم پاکستان میں قانون سازی کا حق صرف ارکانِ پارلیمان کو حاصل ہے، جب چاہیں کسی حکم کو قانون کی حیثیت دے دیں اور جب چاہیں اسے قانون سے خارج کر دیں۔ ان شاء اللہ وفاقی شرعی عدالت پر بحث کے ذیل میں یہ بات پوری طرح واضح ہوگی کہ ’مؤثر بہ ماضی‘ سزا نہ دینے کا اصول کتنے خطرناک نتائج کا حامل ہے اور کس صفائی کے ساتھ یہ اصول احکاماتِ شریعت سے چھٹکارا پانے، انہیں معطل کرنے اور سودی نظام جاری رکھنے کے لئے استعمال کیا جاتا ہے۔

(ب) یہ دستور لکھنے والوں کو اس بات پر حیا تک نہ آئی کہ انہوں نے (۲۳ مارچ ۱۹۵۶ء کے بعد) دستورِ پاکستان کی مخالفت کرنے والے کو تو اس اصول سے مستثنیٰ رکھا اور سزا کا مستحق گردانا، لیکن شریعتِ رب العالمین کی مخالفت کرنے والے کو اس دفعہ کے تحت پورا تحفظ فراہم کیا۔ اس سے ثابت ہوتا ہے کہ ان لوگوں کا عقیدہ مسلمانوں کے عقیدے سے مختلف ہے اور یہ لوگ اللہ مالک الملک کی حاکمیت تسلیم کرنے سے انکاری ہیں۔

ساتواں تضاد

آئینِ پاکستان ایک جرم پر دو مرتبہ سزا دینے سے مطلقاً منع کرتا ہے

دستور کی دفعہ ۱۳ ایک جرم پر دو مرتبہ سزا دینے سے منع کرتی ہے۔[۱۱]

شریعت کے پیمانے سے یہ اصول تبھی درست ہوسکتا ہے جب اس جرم پر پہلی مرتبہ دی گئی سزا شریعت کے مطابق ہو۔ البتہ اگر پہلی سزا ہی غیر شرعی ہو تو پھر شریعت اس اصول کو تسلیم نہیں کرتی۔ مثلاً اگر کوئی شخص چوری، زنا یا قتل کے جرم کا مرتکب ہو اور پھر پاکستانی عدالتیں اسے غیر شرعی سزا دے دیں یا پھر صدرِ پاکستان اپنے صوابدیدی اختیارات استعمال کرتے ہوئے اس کی سزا میں تخفیف کردے تو دفعہ ۱۳ کے مطابق کسی بھی عدالت کو یہ اختیار نہیں کہ اس پر شرعی سزا قائم کرسکے......اور یقیناً یہ امر شرعاً ناقابلِ قبول ہے۔

عجیب بات یہ ہے کہ پاکستانی عدالتیں جو غیر شرعی قوانین کے مطابق فیصلے کرتی ہیں اور جو دوہری سزا کی قائل بھی نہیں، یہ عدالتیں کسی بھی سزا کو اس وقت تک تسلیم نہیں کرتیں جب تک کہ وہ پاکستانی قانون میں مدوّن نہ ہو......جس کا عملی نتیجہ ایک مثال کے ذریعے سمجھا جاسکتا ہے۔ فرض کیجئے کہ پاکستانی عدالتوں میں ایک ایسا ملزم پیش کیا جاتا ہے جسے اپنے جرم کی شرعی سزا دی جاچکی ہے......تو اگرچہ دفعہ ۱۳ کے تحت اسے دوبارہ سزا دینا ناجائز ہے......لیکن پاکستانی عدالت اسے پھر بھی دوبارہ سزا دے گی الا یہ کہ پہلے دی گئی سزا کسی پاکستانی عدالت سے پاکستانی قانون کے مطابق باضابطہ طور پر جاری ہوئی ہو۔

بلکہ امریکہ سمیت کئی ممالک کا طریقہ کار تو یہ ہے کہ اگر کوئی شخص ان کے قانون کی نگاہ میں جرم کا مرتکب ہو اور اسے اس جرم کی سزا پاکستان میں دی جاچکی ہو......تو وہ اس سزا کو معتبر نہیں سمجھتے اور دوبارہ خود سے سزا دیتے ہیں۔ اس کی واضح مثال یہ ہے کہ جن فلسطینیوں نے ۸۰ کی دہائی میں 'پان امریکی' طیارہ اغوا کیا تھا امریکہ نے ان کی اس طویل قید کو شمار نہیں کیا تھا جو انہوں نے پاکستانی جیلوں میں کاٹی تھی اور اس طویل سزا کے بعد پاکستان کی رذیل حکومت نے ان فلسطینیوں کو امریکہ کے حوالے کردیا تھا تاکہ امریکہ انہیں از سرِ نو سزا دے۔

آٹھواں تضاد

سود کے حوالے سے دستور کا مؤقف

دستور کی دفعہ ۱۳۸ اس بات کی تاکید کرتی ہے کہ عوام کی معاشی اور معاشرتی فلاح و بہبود کی خاطر جس قدر جلد ممکن ہو سود کو ختم کیا جائے گا۔[۱۲]

(الف) یہ عبارت مستقبل کے لئے ایک وعدہ تھا جو کئی دہائیاں گزرنے کے باوجود بھی پورا نہیں ہوسکا۔ اس وعدے کی مثال اسی طرح ہے جیسے ایک شخص کہے کہ میں عنقریب نماز پڑھوں گا یا میں عنقریب اسلام قبول کروں گا...... تو کیا محض ایک زبانی وعدے پر یہ شخص نمازی یا مسلمان کہلا سکتا ہے؟

(ب) علاوہ ازیں دستور کی یہ دفعہ کسی قانون ساز قوت کی حامل نہیں، نہ ہی یہ عدالتوں کے معاملات پر اثر انداز ہوتی ہے...... اس کی حیثیت تو ایک وعدے سے بڑھ کر کچھ نہیں۔ اسی لئے وکیل محمد رفیق بٹ نے دستور پر تبصرہ کرتے ہوئے صراحت سے لکھا ہے کہ:

''دفعہ ۲۹ سے دفعہ ۴۰ تک کے احکامات صرف رہنما اصولوں کی حیثیت رکھتے ہیں (نہ کہ نافذ العمل قوانین کی)۔ لہٰذا نہ تو ان کی روشنی میں کوئی عدالت فیصلہ کرسکتی ہے، نہ ہی یہ کسی خاص عدالت کے دائرۂ اختیار میں داخل ہیں اور نہ ہی کوئی عدالت انہیں عملاً نافذ کرسکتی ہے۔ البتہ عدالتیں ان دفعات کو دستور کے جزو کے طور پر بعض دیگر اغراض کے لئے اپنے دائرۂ اختصاص میں داخل سمجھ سکتی ہیں۔ مثلاً دستور کی دیگر دفعات یا قانون سازوں کے بنائے ہوئے دیگر قوانین کی تشریح کے لئے ان دفعات سے مدد لی جاسکتی ہے''۔[۱۳]

(ج) اس دفعہ کے الفاظ خود اس بات کی دلیل ہیں کہ سود پاکستان میں عملاً و قانوناً جاری و ساری ہے۔ ان شاء اللہ وفاقی شرعی عدالت پر بحث کے دوران اس کی کچھ مزید مثالیں سامنے آجائیں گی۔

(د) ممکن ہے کہ یہاں کوئی یہ اعتراض اٹھائے کہ: سودی لین دین تو ایک بین الاقوامی حقیقت ہے اور اس سے یکبارگی چھٹکارا پانا ناممکن نظر آتا ہے، لہٰذا مجبوراً اسے بتدریج ہی ترک کرنا ہوگا۔ اس اشکال کا جواب یہ ہے کہ:

(۱) پہلی بات تو یہ ہے کہ اعتراض میں جس 'مجبوری' اور 'تدریج' کا ذکر ہے، دفعہ ۳۸ کی عبارت میں اس کا کوئی تذکرہ نہیں۔

(۲) پھر اگر بین الاقوامی معاملات میں یہ 'مجبوری' تسلیم کر بھی لی جائے، تو پاکستان کے اندر داخلی معاملات میں تو ایسی کسی مجبوری کا وجود نہیں۔

(۳) اگر ایک لمحے کے لئے خود پاکستان کے اندر بھی 'مجبوری' کا وجود فرض کرلیا جائے تب بھی یہ طے کرنا کہ یہ مجبوری واقعتاً کہاں کہاں پائی جاتی ہے، اضطراراً کسی غیر شرعی لین دین میں اترنے کی حدود و قیود کیا ہیں اور اس اضطراری کیفیت سے چھٹکارا پانے کی کیا صورتیں ممکن ہیں...... علمائے شریعت کا کام ہے، جبکہ مذکورہ دفعہ میں ایسی کسی بات کا تذکرہ سرے سے موجود ہی نہیں۔

(۴) دفعہ ۳۸ کی یہ عبارت ۱۹۵۶ء کے دستور میں بھی موجود تھی [۱۴]۔ آج پچاس سال سے زائد عرصہ گذر جانے کے باوجود بھی یہ وعدہ وفا نہیں ہوسکا اور پاکستان میں سودی نظام مستقل پھیلتا چلا جا رہا ہے۔

ہم دستورِ پاکستان کے اسلامی عناصر پر بحث کے دوران مشاہدہ کریں گے کہ شریعت کے نفاذ اور قوانینِ پاکستان کو خلافِ شرع امور سے پاک کرنے کا وعدہ بھی ۱۹۵۶ء کے دستور میں درج تھا اور یہ وعدہ بھی محض وعدہ ہی رہا ہے، وفا کی نوبت ابھی تک نہیں آئی۔

حواشی

۱؎ اس دفعہ کی اصل عبارت یہ ہے:

President's power to grant pardon, etc.
45. The President shall have power to grant pardon, reprieve and respite, and to remit, suspend or commute any sentence passed by any court, tribunal or other authority. [PART III The Federation of Pakistan, CHAPTER 1.-THE PRESIDENT, Article 45].

۲؎
THE CONSTITUTION OF PAKISTAN 1973, With Commentary, comments on article 2-A p: 54 to 56 and comments on article 45 p: 115.

۳؎ بدائع الصنائع في ترتيب الشرائع . كتاب آداب القاضي ، فصل في بيان من يصلح للقضاء ۳/۷

۴؎ چیف جسٹس سمیت سپریم کورٹ کے جج حضرات کی شروط جاننے کیلئے دفعہ ۱۷۷ کی شق ۲ دیکھئے جس کی اصل عبارت یہ ہے:

Appointment of Supreme Court Judges
177………………….
(2) A person shall not be appointed a Judge of the Supreme Court unless he is a citizen of Pakistan and-
(a) has for a period of, or for periods aggregating, not less than five years been a judge of a High Court (including a High Court which existed in Pakistan at any time before the commencing day); or
(b) has for a period of, or for periods aggregating, not less than fifteen years been an advocate of a High Court (including a High Court which existed in Pakistan at any time before the commencing day). [PART VII The Judicature, CHAPTER 2. - THE SUPREME COURT OF PAKISTAN, Article 177].

ہائی کورٹ کے ججوں کی شرائط کے لیے دفعہ ۱۹۳ کی شق ۲ دیکھئے۔ جس کی اصل عبارت یہ ہے:

Appointment of High Court Judges
193…………….
(2) A person shall not be appointed a Judge of a High Court unless he is a citizen of Pakistan, is not less than forty-five years of age, and
(a) he has for a period of, or for periods aggregating, not less than ten years been an advocate of a High Court (including a High Court which existed in Pakistan at any time before the commencing day); or
(b) he is, and has for a period of not less than ten years been, a member of a civil service prescribed by lawfor the purposes of this paragraph, and has, for a period of not less than three year, served as or exercised the functions of a District Judge in Pakistan; or
(c) he has, for a period of not less than ten years, held a judicial office in Pakistan. [PART VII The Judicature, CHAPTER 2. - THE SUPREME COURT OF PAKISTAN, Article 193].

۵؎ اسی کے نتیجے میں بھگوان داس کیلئے سپریم کورٹ کا چیف جسٹس بننا ممکن ہوا۔ (مترجم)

۶؎ اصول الشرعية الإسلامية للمستشار علی جریشه ۲۲/۱ :۲۳. نقلتهاعن كلمة حق للشيخ عمر عبدالرحمٰن ص :۳۶، ۳۷

۷؎ اس دفعہ کی اصل عبارت یہ ہے:

The President
41………….

(2) A person shall not be qualified for election as President unless he is a Muslim of not less than forty-five years of age and is qualified to be elected as member of the National Assembly. [PART III The Federation of Pakistan, CHAPTER 1.-THE PRESIDENT, Article 41].

۸۔ THE CONSTITUTION OF PAKISTAN 1973, With Commentary P: 112.

۹۔ اس دفعہ کی اصل عبارت یہ ہے:

Protection against retrospective punishment
12. (1) No law shall authorize the punishment of a person-
(a) for an act or omission that was not punishable by law at the time of the act or omission; or
(b) for an offence by a penalty greater than, or of a kind different from, the penalty prescribed by law for that offence at the time the offence was committed.
(2) Nothing in clause (1) or in Article 270 shall apply to any law making acts of abrogation or subversion of a Constitution in force in Pakistan at any time since the twenty-third day of March, one thousand nine hundred and fifty-six, an offence. [PART II, Fundamental Rights and Principles of Policy, CHAPTER 1. - FUNDAMENTAL RIGHTS, Article 12].

۱۰۔ اسی طرح کی ایک کوشش کے ذریعے مصر کی اعلیٰ دستوری عدالت نے بھی دستور کی دفعہ ۲ کی تطبیق سے راہِ فرار اختیار کی جس میں کہا گیا ہے کہ "شریعتِ اسلامیہ کے اصول ومبادی ہی قانون سازی کا ماخذ ہیں"۔ عدالت نے کہا کہ اس دفعہ کا اطلاق ان قوانین پر نہیں ہوتا جو اس سے قبل صادر ہوئے۔ اور چونکہ ملک کے غالب قوانین اس دفعہ کی منظوری سے پہلے بنے ہیں لہٰذا ان پر اس دفعہ کا کوئی اطلاق نہ ہوگا۔ دیکھئے: مركز الدراسات السياسية والاستراتيجية بالاهرام؛ التقرير الاستراتيجي العربي لسنة ۱۹۹۳، ص ۳۳۲، القاهرة ۱۹۹۴، الحكم رقم (۲) لسنة ۱۴ فضائية (دستورية) الصادر فى ۳ ابريل ۱۹۹۳م۔

۱۱۔ اصل عبارت یہ ہے:

Protection against double punishment and self incrimination
13. No person-
(a) shall be prosecuted or punished for the same offence more than once; [PART II, Fundamental Rights and Principles of Policy, CHAPTER 1. - FUNDAMENTAL RIGHTS, Article 13].

۱۲۔ اصل عبارت یہ ہے:

Promotion of social and economic well being of the people
38. The State shall-
…………………….
(f) eliminate riba as early as possible. [PART II, Fundamental Rights and Principles of Policy, CHAPTER 2. - PRINCIPLES OF POLICY, Article 38].

۱۳۔
THE CONSTITUTION OF PAKISTAN 1973, With Commentary, comments on CHAPTER 2. - PRINCIPLES OF POLICY P: 108.

۱۴۔
THE CONSTITUTION OF PAKISTAN 1973, With Commentary, Preliminary, 1965 constitution p: 31.

باب سوم

دستور کے بیان کردہ وسائل
شریعت کی حاکمیت قائم کرنے سے عاجز ہیں

پاکستانی دستور کی متعدد عبارتیں حاکمیتِ شریعت قائم کرنے اور قوانین کو خلافِ شرع امور سے پاک کرنے کی ہدایت دیتی ہیں، لیکن یہ تمام عبارتیں نظری اور عملی دونوں اعتبار سے اتنی کمزور و بے وزن ہیں کہ ان کے ذریعے شریعتِ الٰہیہ کی حاکمیت قائم ہونا محال ہے۔ بلکہ یہ عبارتیں تو خود دستور میں پائی جانے والی خلافِ شرع دفعات ختم کرنے کی قوت بھی نہیں رکھتیں۔

اس باب میں دستور کی ایسی ہی متعدد عبارتوں کا جائزہ لیا گیا ہے۔ میں نے اس بحث کو پانچ فصلوں میں تقسیم کیا ہے:

(۱) پہلی فصل: دستور کا دیباچہ 'قراردادِ مقاصد'، دفعہ ۲ اور دفعہ ۲ الف

(۲) دوسری فصل: دفعہ ۳۱

(۳) تیسری فصل: دفعہ ۳۸

(۴) چوتھی فصل: وفاقی شرعی عدالت، دستور کا حصہ ہفتم، باب ۳ الف

(۵) پانچویں فصل: دستور کا حصہ نہم، اسلامی احکام (دفعہ ۲۲۷ تا دفعہ ۲۳۱)

پہلی فصل

دستور کا دیباچہ 'قراردادِ مقاصد'، دفعہ ۲ اور دفعہ ۲ الف

۱۔ دستورِ پاکستان کے دیباچے میں مندرجہ ذیل عبارتیں شامل ہیں:

''یہ بات اظہر من الشّمس ہے کہ اللہ تعالیٰ ہی تمام کائنات کا بلا شرکتِ غیرے حاکمِ کل ہے اور پاکستان کے عوام کو جو اقتدار و اختیار بھی اللہ کی مقرر کردہ حدود کے اندر رہ کر استعمال کرنے کا حق حاصل ہے، وہ ایک مقدس امانت ہے۔

...... جمہوریت، آزادی، مساوات، رواداری اور عدلِ عمرانی کے اصولوں پر، جیسا کہ اسلام نے انہیں بیان کیا ہے، پوری طرح عمل کیا جائے گا۔

مسلمانوں کو انفرادی، ذاتی اور اجتماعی طور پر اس قابل بنایا جائے گا کہ وہ اپنی زندگی قرآنِ پاک اور سنتِ محمدی صلی اللہ علیہ وسلم میں بیان کردہ اسلامی تعلیمات، تشریحات اور ضروریات کے حسبِ منشاء ترتیب دے سکیں۔

...... لہٰذا ہم، عوامِ پاکستان، اس قادرِ مطلق ربِ تبارک وتعالیٰ اور اس کے بندوں کے سامنے اپنی ذمہ داری کے مکمل احساس کے ساتھ

پاکستان کی خاطر عوام کی دی گئی قربانیوں کے اعتراف کے ساتھ

بانیٔ پاکستان قائد اعظم محمد علی جناح کے اس اعلان سے وفاداری کے جذبے کے ساتھ کہ پاکستان عدلِ اجتماعی کے اصولوں پر قائم ایک جمہوری ریاست ہوگی

جمہوریت کی حفاظت کا عزمِ مصمم لیے جو ظلم واستبداد کے خلاف عوام کی مسلسل جدوجہد کے نتیجے میں حاصل ہوئی ہے......

حقائقِ مندرجہ بالا کو عملی جامہ پہناتے ہوئے قومی اسمبلی میں اپنے نمائندوں کے ذریعے یہ دستور منظور کر کے اسے قانون کا درجہ دیتے ہیں اور اسے اپنے ملک کا قانون تسلیم کرتے ہیں''۔ [۱]

ان عبارتوں پر بحث کرنے سے قبل میں اس امر کی وضاحت کرتا چلوں کہ دستورِ پاکستان کے اس

دیباچہ کو پہلی مرتبہ پاکستان کی پہلی دستور ساز مجلس نے مارچ ۱۹۴۹ء میں ایک قرارداد کی صورت میں منظور کیا۔ یہ قرارداد ''قراردادِ مقاصد'' کے نام سے جانی جاتی ہے۔[۲]

یہ قراردادِ مقاصد پہلے ۱۹۵۶ء کے دستور میں دیباچے کے طور پر شامل کی گئی، پھر ۱۹۶۲ء کے دستور میں بھی اسے دیباچہ قرار دیا گیا اور اپریل ۱۹۷۲ء کے ہنگامی دستور اور ۱۹۷۳ء کے دستور میں بھی اسے دیباچے کی حیثیت دی گئی۔[۳]

پھر دفعہ ۲ اور دفعہ ۲ الف کے ذریعے اس قرارداد کو دستور کا مستقل حصہ بنا دیا گیا۔ دستور کی دفعہ ۲ کہتی ہے کہ:

''ریاستِ پاکستان کا سرکاری مذہب اسلام ہوگا''۔

اور دفعہ ۲ الف میں مذکور ہے کہ:

''قراردادِ مقاصد، جسے دستور کے ساتھ بطور ضمیمہ بھی ملحق کیا گیا ہے، میں درج اصول و احکام کو دستور کا مستقل حصہ قرار دیا جاتا ہے جو بعینہٖ من وعن مؤثر ہوں گے''۔[۴]

۲۔ چونکہ دیباچے اور دفعہ ۲ الف میں باہمی ربط ہے لہٰذا ہم یہاں دیباچے کے مذکورہ اقتباسات کے ساتھ ساتھ دفعہ ۲ الف پر بھی تبصرہ کریں گے

الف۔ اسلام اور جمہوریت

دیباچے میں کئی مرتبہ ''جمہوریت'' کا لفظ استعمال کیا گیا ہے۔

(۱) ''جمہوریت'' کی اصطلاح ایک معروف معنی اور معلوم صفات کی حامل ہے۔ یہ معانی و صفات جمہوریت کا ایسا جزوِ لاینفک ہیں کہ اگر انہیں اس سے الگ کر دیا جائے تو جو کچھ باقی بچے گا وہ کسی طور بھی جمہوریت نہیں کہلائے گا۔ انہی اساسی صفات میں سے ایک یہ بھی ہے کہ قانون سازی اور حکمرانی کا حق عوام کی غالب اکثریت کے پاس ہو اور باقی تمام اقدار و اخلاق اسی بنیاد پر طے ہوں۔ پس حرام وہ ہوگا جسے اکثریت حرام کہے اور حلال وہ جسے اکثریت حلال قرار دے۔

چنانچہ اس بات کا تو تصور ہی ممکن نہیں کہ جمہوریت کی کوئی ایسی شکل بھی ہو سکتی ہے جس میں حاکمیت اور قانون سازی کا مطلق اختیار عوام کے پاس نہ ہو۔ اس کے برعکس کسی ایسے 'اسلام' کا تصور بھی ناممکن ہے جہاں حکمرانی اور قانون سازی کا حق اللہ وحدہ لاشریک کے سوا بھی کسی کو حاصل ہو۔ رب کی شریعت

میں تو حرام وہ ہوتا ہے جسے اللہ سبحانہ تعالیٰ حرام قرار دیں اور حلال وہ جسے اللہ حلال ٹھہرائیں۔ حق تعالیٰ فرماتے ہیں:

﴿اَمْ لَهُمْ شُرَكٰٓؤُا شَرَعُوْا لَهُمْ مِّنَ الدِّيْنِ مَا لَمْ يَاْذَنْ بِهِ اللّٰهُ وَلَوْلَا كَلِمَةُ الْفَصْلِ لَقُضِيَ بَيْنَهُمْ وَاِنَّ الظّٰلِمِيْنَ لَهُمْ عَذَابٌ اَلِيْمٌ﴾ (الشوریٰ:۲۱)

''کیا یہ لوگ ایسے شریکانِ خدا رکھتے ہیں جنھوں نے ان کے لئے دین کی نوعیت رکھنے والا کوئی ایسا طریقہ مقرر کر دیا ہے جس کا اللہ نے حکم نہیں دیا۔ اور اگر فیصلے (کے دن) کا وعدہ نہ ہوتا تو (اب تک) ان کا قضیہ چکا دیا گیا ہوتا، اور یقیناً ظالموں کے لئے (اس دن) دردناک عذاب ہے''۔

ایک اور مقام پہ ارشاد ہے:

﴿قُلْ اَرَءَيْتُمْ مَّآ اَنْزَلَ اللّٰهُ لَكُمْ مِّنْ رِّزْقٍ فَجَعَلْتُمْ مِّنْهُ حَرَامًا وَّحَلٰلًا قُلْ آٰللّٰهُ اَذِنَ لَكُمْ اَمْ عَلَى اللّٰهِ تَفْتَرُوْنَ﴾ (یونس:۵۹)

''آپ کہہ دیجئے کہ بھلا دیکھو تو، اللہ نے تمہارے لیے جو رزق نازل فرمایا تو تم نے اس میں سے بعض کو حرام ٹھہرا لیا اور بعض کو حلال، (ان سے) پوچھئے کہ کیا اللہ نے تمہیں اس کا اختیار دیا ہے یا تم اللہ پر جھوٹ باندھتے ہو''۔

لہٰذا اسلام اور جمہوریت کا ملغوبہ بنانا دو ایسے عقائد کو خلط ملط کرنے کے مترادف ہے جو بالکل مختلف بنیادوں سے پھوٹے ہیں اور یکسر مختلف اثرات و نتائج کے حامل ہیں۔

اب اگر کوئی یہ کہے کہ اسلام بھی تو باہم مشورے، حکمرانوں کے محاسبے اور ان کے تصرفات پر نگاہ رکھنے کی دعوت دیتا ہے، اور یہ امور اسلام اور جمہوریت میں مشترک ہیں......تو اسے کہا جائے گا کہ یوں تو اسلام اور عیسائیت کے درمیان بھی کئی امور مشترک ہیں۔ دونوں ادیان ایمان باللہ کی دعوت دیتے ہیں، عیسیٰ علیہ السلام سے قبل کے تمام انبیاء پر ایمان کی دعوت دیتے ہیں اور اس بات پر بھی ایمان لانے کی دعوت دیتے ہیں کہ عیسیٰ علیہ السلام پر اللہ سبحانہ وتعالیٰ کی جانب سے کتاب نازل ہوئی۔ اب خود ہی بتائیے کہ کیا ان مشترکہ امور کو مدنظر رکھتے ہوئے اسلام کو ''مسیحی اسلام'' یا عیسائیت کو ''اسلامی عیسائیت'' کہنا درست ہوگا۔

اسی طرح اگر کوئی شخص کہے کہ ہمارا مقصود یہ نہیں کہ ہم جمہوریت پوری طرح اختیار کرلیں، بلکہ ہم تو محض اس کی چند چیزیں اختیار کرنے کی بات کرتے ہیں، تو میں اس سے پوچھوں گا کہ:

پہلے تو یہ بتلاؤ کہ اسلام اور کفر کا یہ ملغوبہ بنانے اور خالص شرعی اصطلاحات ترک کرکے یہ مبہم اصطلاحات استعمال کرنے سے تمہارا مقصود کیا ہے؟

دوسرا یہ کہ اس سارے جھگڑے کی ضرورت ہی کیا ہے جبکہ اللہ تعالیٰ نے ہمیں اپنی مبارک شریعت دے کر باقی تمام شرائع اور عقائد سے مستغنی کردیا ہے؟

اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:

﴿يَآيُّهَا النَّاسُ قَدْ جَآءَ كُمْ بُرْهَانٌ مِّنْ رَّبِّكُمْ وَاَنْزَلْنَآ اِلَيْكُمْ نُوْرًا مُّبِيْنًا﴾ (النسآء:۱۷۴)

''اے لوگو! تمہارے پروردگار کی طرف سے تمہارے پاس (روشن) دلیل آچکی ہے اور ہم نے (کفر و ضلالت کا اندھیرا دور کرنے کیلئے) تمہاری طرف چمکتا ہوا نور بھیج دیا ہے''۔

اور فرمایا:

﴿وَاَنْزَلْنَآ اِلَيْكَ الْكِتٰبَ بِالْحَقِّ مُصَدِّقًا لِّمَا بَيْنَ يَدَيْهِ مِنَ الْكِتٰبِ وَمُهَيْمِنًا عَلَيْهِ فَاحْكُمْ بَيْنَهُمْ بِمَآ اَنْزَلَ اللّٰهُ وَلَا تَتَّبِعْ اَهْوَآءَ هُمْ عَمَّا جَآئَكَ مِنَ الْحَقِّ لِكُلٍّ جَعَلْنَا مِنْكُمْ شِرْعَةً وَّمِنْهَاجًا وَلَوْشَآءَ اللّٰهُ لَجَعَلَكُمْ اُمَّةً وَّاحِدَةً وَّلٰكِنْ لِّيَبْلُوَكُمْ فِيْ مَآ اٰتٰكُمْ فَاسْتَبِقُوا الْخَيْرٰتِ اِلَى اللّٰهِ مَرْجِعُكُمْ جَمِيْعًا فَيُنَبِّئُكُمْ بِمَا كُنْتُمْ فِيْهِ تَخْتَلِفُوْنَ. وَاَنِ احْكُمْ بَيْنَهُمْ بِمَآ اَنْزَلَ اللّٰهُ وَلَا تَتَّبِعْ اَهْوَآءَ هُمْ وَاحْذَرْهُمْ اَنْ يَّفْتِنُوْكَ عَنْ بَعْضِ مَآ اَنْزَلَ اللّٰهُ اِلَيْكَ فَاِنْ تَوَلَّوْا فَاعْلَمْ اَنَّمَا يُرِيْدُ اللّٰهُ اَنْ يُّصِيْبَهُمْ بِبَعْضِ ذُنُوْبِهِمْ وَاِنَّ كَثِيْرًا مِّنَ النَّاسِ لَفٰسِقُوْنَ. اَفَحُكْمَ الْجَاهِلِيَّةِ يَبْغُوْنَ وَمَنْ اَحْسَنُ مِنَ اللّٰهِ حُكْمًا لِّقَوْمٍ يُّوْقِنُوْنَ﴾ (المآئدۃ:۴۸۔۵۰)

''اور (اے پیغمبر علیہ السلام) ہم نے آپ پر سچی کتاب نازل فرمائی ہے جو اپنے سے پہلی کتابوں کی تصدیق کرتی اور ان پر نگہبان ہے، پس ان کے درمیان اللہ کی نازل کردہ شریعت کے مطابق فیصلہ کیجئے، اور جو حق آپ کے پاس آچکا اس سے روگردانی کرتے ہوئے ان کی

خواہشات کی پیروی مت کیجئے۔اور ہم نے تم میں سے ہر ایک کے لئے ایک دستور اور طریقہ مقرر کیا ہے،اور اگر اللہ چاہتا تو تم سب کو ایک ہی امت بنا دیتا،لیکن جو حکم اس نے تمہیں دیئے وہ ان میں تمہاری آزمائش کرنا چاہتا ہے،سو نیک کاموں میں جلدی کرو،تم سب کو اللہ ہی کی طرف لوٹ کر جانا ہے،پھر جن باتوں میں تم اختلاف کرتے تھے وہ تمہیں بتلا دے گا۔اور (ہم پھر تاکید کرتے ہیں کہ) ان کے درمیان اللہ کی نازل کردہ شریعت کے مطابق فیصلہ کیجئے اور ان کی خواہشات کی پیروی مت کیجئے اور ان سے بچیئے کہ کہیں یہ آپ کی طرف اللہ کے نازل کردہ کسی حکم سے آپ کو بہکا نہ دیں۔اب اگر یہ نہ مانیں تو جان لیجئے کہ اللہ چاہتا ہے کہ ان کے بعض گناہوں کے سبب ان پر مصیبت نازل کرے،اور یقیناً اکثر لوگ تو گمراہ ہیں۔(اگر یہ اللہ کی نازل کردہ شریعت سے منہ موڑتے ہیں تو) کیا پھر جاہلیت کا فیصلہ چاہتے ہیں،اور یقین رکھنے والوں کیلئے اللہ سے بہتر فیصلہ کرنے والا اور کون ہوسکتا ہے''۔

پس یہ بات تو بالکل واضح ہے کہ کفر و اسلام کو خلط ملط کرنے کا یہ سلسلہ دستورِ پاکستان کی ابتدائی سطور سے ہی شروع ہو جاتا ہے......اور اسی کے نتیجے میں آج ہم بہت سا جدل وفساد دیکھ رہے ہیں اور ہمیں قدم قدم پر خالص اسلامی احکامات وتصورات کی بجائے کفر و شرک اور شرعی مخالفتوں سے آلودہ مفاہیم و معانی سے واسطہ پڑتا ہے۔

(۲) 'جمہوریت' کا تذکرہ کرتے ہوئے دستورِ پاکستان کہتا ہے کہ:

(الف) ''......جمہوریت،آزادی،مساوات،رواداری اور عدلِ عمرانی کے اصولوں پر، جیسا کہ اسلام نے انہیں بیان کیا ہے،پوری طرح عمل کیا جائے گا''۔

نجانے اسلام نے کہاں جمہوریت کا تصور بیان کیا ہے،جبکہ ہم گزشتہ سطور میں اسلام اور جمہوریت کا صریح تضاد بھی واضح کر چکے ہیں!

(ب) اسی طرح دیباچے میں یہ عبارت بھی ملتی ہے کہ:''پاکستان عدلِ اجتماعی کے اصولوں پر قائم ایک جمہوری ریاست ہوگی''۔

مجھے معلوم نہیں کہ اسلام اور جمہوریت جیسی دو متضاد چیزوں کو ایک ہی جملے میں جمع کرنے سے کیا مقصود ہے؟ نیز اس عبارت میں محض اسلام کے 'عدلِ اجتماعی' کا تذکرہ ہی کیوں کیا گیا ہے،اسلام کے

دیگر پہلوؤں: حاکمیت، اخلاقیات، اقتصادیات اور سیاسیات وغیرہ کا ذکر کیوں نہیں کیا گیا؟ اسلام تو اس کُل عمارت کا نام ہے، نہ کہ اس کے چند اجزاء کا!

(ج) دیباچے میں یہ عبارت بھی مذکور ہے کہ: ''(ہم اس) جمہوریت کی حفاظت کا عزمِ مصمم کیے (ہوئے ہیں) جو ظلم واستبداد کے خلاف عوام کی مسلسل جدوجہد کے نتیجے میں حاصل ہوئی ہے''۔

نجانے اس عبارت کے ذریعے یہ 'اسلامی' دستور کس چیز کی حفاظت کا ذمہ لے رہا ہے؟ پوری جمہوریت کی حفاظت کا؟ اکثریت کے حقِ حکمرانی اور حقِ قانون سازی کے تحفظ کا؟ آخر کس بات کا؟ پس یہ بات تو بڑے واضح طور پر ثابت ہوتی ہے کہ دستورِ پاکستان کی ابتدائی سطور سے ہی حق وباطل کی آمیزش کا آغاز ہو جاتا ہے۔

ب۔ قراردادِ مقاصد کے اسلامی احکامات

جہاں تک قراردادِ مقاصد میں موجود اسلامی ہدایات واحکامات کا تعلق ہے، تو ہم عنقریب دیکھ لیں گے کہ ان کی عبارتوں میں ایسا عموم پایا جاتا ہے کہ ان سے کوئی متعین حکم اخذ کرنا ممکن نہیں، البتہ کچھ عمومی باتیں شاید اخذ کی جاسکیں۔

(۱) مثلاً یہ عبارت کہ:

''یہ بات اظہر من الشّمس ہے کہ اللہ تعالیٰ ہی تمام کائنات کا بلاشرکتِ غیرے حاکمِ کل ہے اور پاکستان کے عوام کو جو اقتدار واختیار بھی اللہ کی مقرر کردہ حدود کے اندر رہ کر استعمال کرنے کا حق حاصل ہے، وہ ایک مقدس امانت ہے''۔

یہ ایک عمومی سی عبارت ہے جو نہ تو یہ بات صراحتاً کہتی ہے کہ حاکمیتِ اعلیٰ صرف شریعتِ اسلامی کی ہوگی اور نہ ہی اس بات پر دوٹوک دلالت کرتی ہے کہ شرعی احکامات کو ایک ایسے بلند وبرتر مصدر کی حیثیت حاصل ہوگی جس کے مقابل کوئی دوسری شریعت یا قانون قابلِ قبول نہ ہوں گے۔ اسی طرح اس عبارت میں یہ تصریح بھی نہیں کی گئی کہ شرعی احکامات کو عوامی اکثریت کی رائے پر بھی فوقیت دی جائے گی۔

(۲) اسی طرح یہ عبارت کہ:

''مسلمانوں کو انفرادی، ذاتی اور اجتماعی طور پر اس قابل بنایا جائے گا کہ وہ اپنی زندگی قرآنِ

پاک اور سنتِ محمدیؐ میں بیان کردہ اسلامی تعلیمات، تشریحات اور ضروریات کے حسبِ منشاء ترتیب دے سکیں''۔

یہ بھی محض ایک وعدہ ہے، جو کہ ساٹھ سال گزر جانے کے بعد بھی پورا نہیں ہو سکا۔

ج۔ قراردادِ مقاصد کے دیباچۂ دستور ہونے کی حیثیت

قراردادِ مقاصد کو دستور کا دیباچہ بنانے، یا دفعہ ۲ الف کی بناء پر اسے دستور کا جزو سمجھنے سے یہ لازم نہیں آتا کہ اسلامی شریعت ہی اقتدارِ اعلیٰ کی مالک اور قانون سازی کا واحد مصدر قرار پائے...... کیونکہ:

اولاً: قراردادِ مقاصد، دیباچۂ دستور، دفعہ ۲ الف اور اس قسم کی دیگر دفعات نے تو قانونی حیثیت بھی اکثریت کی منظوری سے حاصل کی ہے۔ جبکہ اسلام کی رو سے تو شریعت یہ فیصلہ کرتی ہے کہ اکثریت ہدایت پر ہے یا گمراہی پر...... بجائے اس کے کہ اکثریت یہ فیصلہ کرے کہ شریعت کا فلاں حکم قبول کیا جائے یا رد۔ اقتدارِ اعلیٰ تو ہر صورت میں شریعت کا حق ہے خواہ اکثریت اس پہ راضی ہو یا ناراض۔

ثانیاً: دستور کو رسمی طور پر دستور کی حیثیت تبھی حاصل ہوتی ہے جب عوامی اکثریت یا تو استصوابِ رائے کے ذریعے یا پھر ارکانِ پارلیمان کے واسطے سے اپنی تائید و موافقت کا اظہار کرے۔ یعنی دستور کی پرفریب خوشنما عبارتوں کے باوجود بھی اس جمہوری نظام میں حکمرانی عوام ہی کا حق ہے اور عوامی تائید ہی دستور کو قانونی حیثیت بخشتی ہے۔ چنانچہ ہم دیکھتے ہیں کہ دستور کا دیباچہ مندرجہ ذیل عبارت پر ختم ہوتا ہے:

> ''(ہم عوامِ پاکستان) حقائقِ مندرجہ بالا کو عملی جامہ پہناتے ہوئے قومی اسمبلی میں اپنے نمائندوں کے ذریعے یہ دستور منظور کر کے اسے قانون کا درجہ دیتے ہیں اور اسے اپنے ملک کا قانون تسلیم کرتے ہیں''۔[۵]

اس کے برعکس شریعتِ الٰہی اپنی حاکمیت منوانے کے لئے عوامی منظوری کی محتاج نہیں۔ اس پہ تو مہرِ تصدیق اسی وقت سے ثبت ہوتی ہے جب یہ اللہ رب العالمین کی جانب سے زمین پہ نازل ہوتی ہے۔ رب کی شریعت قبول کرنے یا نہ کرنے کے معاملے میں انسانوں کی رائے معلوم کرنا بذاتِ خود شریعت سے بغاوت کے مترادف ہے۔ حق تعالیٰ فرماتے ہیں:

﴿فَاحْكُمْ بَيْنَهُمْ بِمَآ اَنْزَلَ اللّٰهُ وَلَا تَتَّبِعْ اَهْوَآءَهُمْ عَمَّا جَآءَكَ مِنَ الْحَقِّ﴾

(المآئدة:۴۸)

''پس ان کے درمیان اللہ کی نازل کردہ شریعت کے مطابق فیصلہ کیجئے، اور جو حق آپ کے پاس آ چکا ہے اس سے روگردانی کرتے ہوئے ان کی خواہشات کی پیروی مت کیجئے''۔

اور فرمایا:

﴿وَاَنِ احْكُمْ بَيْنَهُمْ بِمَآ اَنْزَلَ اللّٰهُ وَلَا تَتَّبِعْ اَهْوَآءَهُمْ وَاحْذَرْهُمْ اَنْ يَّفْتِنُوْكَ عَنْ بَعْضِ مَآ اَنْزَلَ اللّٰهُ اِلَيْكَ﴾ (المآئدة:۴۹)

''اور ان کے درمیان اللہ کی نازل کردہ شریعت کے مطابق فیصلہ کیجئے، اور ان کی خواہشات کی پیروی مت کیجئے اور ان سے بچئے کہ یہ آپ کی طرف اللہ کے نازل کردہ کسی حکم سے آپ کو بہکا نہ دیں''۔

اور فرمایا:

﴿وَلَوِ اتَّبَعَ الْحَقُّ اَهْوَآءَهُمْ لَفَسَدَتِ السَّمٰوٰتُ وَالْاَرْضُ وَمَنْ فِيْهِنَّ﴾ (المؤمنون:۷۱)

''اور اگر حق ان کی خواہشات کی پیروی کرنے لگے تو آسمان و زمین اور جو کوئی ان میں ہیں سب درہم برہم ہو جائیں''۔

شریعت کو حاکم بنانے یا نہ بنانے کے حوالے سے استصواب یا رائے شماری کرانا شرعاً کسی طور جائز نہیں، البتہ مسلمانوں کا اپنے معاملات میں شرعی اصولوں کے مطابق باہم مشورہ کرنا جائز ہے۔ لہٰذا ان دونوں باتوں کو باہم خلط ملط نہ کیا جائے۔

ثالثاً: پارلیمان کو یہ حق حاصل ہے کہ اپنی مرضی و منشاء کے مطابق دستور میں ترمیم کرے، جیسا کہ دستور کی دفعہ ۲۳۸ اور دفعہ ۲۳۹ میں صراحتاً مذکور ہے۔ اس حوالے سے ہم پہلے باب میں تفصیلی بات کر چکے ہیں۔ پارلیمان کی دو تہائی اکثریت کو یہ اختیار حاصل ہے کہ اگر چاہے تو دستور کے دیباچے اور دفعہ ۲ کو دستور سے حذف کر دے کیونکہ دستور پارلیمان کے اس حق پر نہ تو کوئی قید عائد کرتا ہے، نہ ہی کوئی شرط، نہ اس پر کوئی نگران ہے اور نہ ہی کوئی محتسب۔ اس کے برعکس شریعت میں ایک حرف کی تبدیلی کا اختیار بھی کسی کو حاصل نہیں۔ حق تعالیٰ فرماتے ہیں:

﴿وَاحْذَرْهُمْ اَنْ يَّفْتِنُوْكَ عَنْ بَعْضِ مَآ اَنْزَلَ اللّٰهُ اِلَيْكَ﴾ (المآئدة:۴۹)

''اوران سے بچیئے کہ یہ آپ کی طرف اللہ کے نازل کردہ کسی حکم سے آپ کو بہکا نہ دیں''۔

د۔ دیباچہ، دفعہ ۲ الف اور عدالتی فیصلے

دستور میں پائے جانے والے تضادات اور دیباچے کی مبہم عبارات کے سبب پاکستانی عدالتوں کے فیصلوں میں بھی دیباچے اور دفعہ ۲ الف کے فہم کے حوالے سے بہت تضاد اور اختلاف پایا جاتا ہے۔ نتیجتاً ان عدالتوں نے مختلف متضاد فیصلے جاری کئے ہیں، البتہ یہ سب باہم متضاد و مخالف فیصلے اس بات پر متفق ہیں کہ دستور میں اسلامی شریعت سے متصادم دفعات بھی پائی جاتی ہیں[۶]۔ اختلاف صرف اس امر میں رہا ہے کہ ترجیح کسے دی جائے، اسلامی دفعات کو یا اسلام سے متصادم دفعات کو؟ اور ترجیح دینے کا یہ حق کون رکھتا ہے؟ اگلی سطروں میں ہم، اللہ کی توفیق سے، پاکستان کے سپریم کورٹ اور ہائی کورٹ کے ایسے متضاد فیصلوں کی چند مثالیں پیش کریں گے اور ساتھ ہی ساتھ ان پہ تبصرہ بھی کرتے چلیں گے۔

(۱) قراردادِ مقاصد اور دستور کی دفعہ ۲ الف کی حیثیت سے متعلق پاکستانی عدالتوں کے فیصلوں میں موجود تضاد و اختلاف کی چند مثالیں:

بیرسٹر محمد رفیق بٹ نے دفعہ ۲ الف اور دفعہ ۲۲۷ پر تبصرہ کرتے ہوئے پاکستان کے قانونی ڈھانچے میں قراردادِ مقاصد اور دفعہ ۲ الف کے مقام پر ایک اہم بحث کی ہے جس سے ان دونوں کی حیثیت اور پاکستان کے قوانین اور فیصلوں پر ان کے عملی اثرات واضح ہوتے ہیں۔ اس بحث کی اہمیت کے پیشِ نظر میں اس کا خلاصہ یہاں (معمولی تصرفات کے ساتھ) ذکر کر رہا ہوں:

پاکستان کی ہائی کورٹ اور سپریم کورٹ میں یہ بحث چلتی رہی ہے کہ قراردادِ مقاصد کی کیا حیثیت ہے؟ کیا یہ دستور پر غالب ہے؟ کیا پاکستان کی اعلیٰ عدالتیں یہ حق رکھتی ہیں کہ کسی قانون یا کسی بھی ہیئتِ مجاز سے جاری ہونے والے فیصلے کو قراردادِ مقاصد سے ٹکراؤ کی صورت میں کالعدم قرار دیں، چاہے وہ قانون یا فیصلہ دیگر دستوری دفعات کے موافق ہی کیوں نہ ہو؟

ایک مقدمے[۷] میں پاکستان کی سپریم کورٹ نے قراردادِ مقاصد کو پاکستان میں قوانین کا سب سے بڑا ماخذ[۸] تسلیم کیا ہے۔ اس فیصلے میں کہا گیا ہے کہ پاکستان کو مغرب کے قانونی نظریات کی طرف دیکھنے کی قطعاً ضرورت نہیں کیونکہ ہمارے یہاں مرجع و ماخذ مغربی قوانین کے مآخذ سے یکسر مختلف ہے۔ اس سب سے بڑے ماخذ و مصدر کی طرف اشارہ پاکستانی دستور ان الفاظ میں کرتا ہے کہ:

''اللہ تعالیٰ ہی تمام کائنات کا بلا شرکتِ غیرے حاکمِ کل ہے اور پاکستان کے عوام کو جو اقتدار و اختیار بھی اللہ کی مقرر کردہ حدود کے اندر رہ کر استعمال کرنے کا حق حاصل ہے، وہ ایک مقدس امانت ہے''۔[9]

اس اصول میں کسی تغیر وتبدیلی کی گنجائش نہیں۔ ۷ مارچ ۱۹۴۹ء کو پاکستان کی پہلی تاسیسی کمیٹی سے منظور کردہ قراردادِ مقاصد میں یہ اصول انتہائی وضاحت کے ساتھ تسلیم کیا گیا ہے۔

لیکن اس کے برعکس ایک دوسرے مقدمے کے فیصلے[10] میں کہا گیا کہ قراردادِ مقاصد کوئی دستور سے بالاتر دستاویز نہیں ہے اور نہ ہی عدالتیں اسے زیر بحث لاسکتی ہیں۔

اسی طرح سپریم کورٹ کے ایک اور مقدمے[11] میں جج نے اپنے فیصلے میں کہا ہے کہ کوئی بھی مقدس دینی دستاویز اگر دستور میں شامل نہیں ہے اور اس کا جزو قرار نہیں پائی تو پھر یہ ممکن نہیں کہ اسے دستوری دفعات سے بالاتر مقام دیا جائے۔ نیز یہ عدالتیں چونکہ دستور کے تحت وجود پذیر ہوئی ہیں لہٰذا انہیں کسی طور اس بات کا اختیار نہیں کہ یہ دستور کی کسی شق کو کسی دینی دستاویز سے متصادم قرار دیں۔ اب چونکہ قراردادِ مقاصد محض دستور کا دیباچہ ہے، دستور کے اندر درج نہیں، اور اسے دستور کا فعال جزو نہیں بنایا گیا ،لہٰذا قراردادِ مقاصد کی روشنی میں دستور کی دفعات کو غلط یا صحیح قرار نہیں دیا جاسکتا۔

ایک دوسرے مقدمے[12] میں جج نے اس بات کی طرف اشارہ کیا ہے کہ دستور کی دفعہ ۲ الف کے ذریعے کتاب اللہ اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت...... جو ہر مسلمان کے نزدیک تمام قوانین واحکام سے بالاتر قانون وحکم کی حیثیت رکھتی ہیں...... یہ دونوں چیزیں اب پاکستان کا سب سے بالاتر قانون بن چکی ہیں۔ اللہ مالک الملک کی حکمرانی جو اپنے وسیع معانی میں اجتماعی، اقتصادی ،قانونی اور سیاسی معاملات، سبھی پر مشتمل ہے...... یہ حکمرانی اب نافذ العمل ہوچکی ہے۔ کتاب وسنت دستور سے بالاتر اقتدار کے حامل ہیں اور انہیں دستور اور تمام تر قوانین کی نگرانی اور ان میں موجود خلافِ شریعت چیزوں کو منسوخ کرنے کا حق حاصل ہے۔ قراردادِ مقاصد میں مذکور اصول واحکام اب دستور کا بنیادی اور نافذ العمل جزو بن چکے ہیں۔ یہ اصول دستور سے بلند تر حیثیت رکھتے ہیں اور ہر وہ قانون جو ان سے متعارض ہوگا اسے ایک طرف پھینک دیا جائیگا کیونکہ ایسا ہر قانون پاکستان میں مالک الملک سبحانہ وتعالیٰ کی حکمرانی اور قرآن وسنت کی بالاتر حیثیت سے متصادم تصور کیا جائے گا۔ جج نے یہ بھی کہا کہ پاکستانی عدالتوں کو

صرف اس کا اختیار ہی حاصل نہیں، بلکہ وہ اس بات کی پابند ہیں کہ موجودہ قوانین کی قرآن وسنت کی روشنی میں تفسیر وتاویل کریں اور ان میں ضروری ترامیم کرتے ہوئے انہیں نافذ کریں۔

لیکن اسی کے برعکس ہم دیکھتے ہیں کہ ایک اور مقدمے[13] میں ججوں نے کہا کہ قرار دادِ مقاصد کو...... جیسا کہ وہ دفعہ ۲ الف میں مذکور ہے...... دستور کی دیگر دفعات سے بالاتر حیثیت حاصل نہیں ہے، لہٰذا اسے دیگر دفعات کو باطل قرار دینے کے لئے استعمال نہیں کیا جاسکتا۔ کیونکہ اگر دستور کا ایک حکم دستور ہی کے دوسرے حکم سے ٹکراتا ہو، تو یہ لازم نہیں کہ پہلا حکم دوسرے کو ساقط کردے۔

ایک دوسرے مقدمے[14] کا فیصلہ سناتے ہوئے جج نے کہا کہ قراردادِ مقاصد اگرچہ اب دستورِ پاکستان کا اساسی جزو بن چکی ہے، لیکن خود اس کے اپنے اندر یہ قوت نہیں کہ یہ قرآن اور سنت میں موجود تمام احکامات کو دستور کا جزوِ لاینفک بنا سکے، اور نہ ہی عدالتوں کو اس بات کا اختیار حاصل ہے کہ یہ کسی قانون کی شرعی حیثیت کو دفعہ ۲ الف کی کسوٹی پر پرکھنا شروع کردیں۔ قراردادِ مقاصد تو صرف ایک اعلان ہے جو پاکستان کے عقیدے کو واضح کرتا ہے، اسے عدالتوں کے ذریعے سے نافذ نہیں کیا جاسکتا۔

اسی سال ایک دوسرے مقدمے[15] میں عدالت نے یہ فیصلہ دیا کہ عدالتوں پر لازم نہیں کہ وہ کسی قانون کے بارے میں یہ اعلان کریں کہ یہ قراردادِ مقاصد کے ساتھ نہیں چل سکتا، بلکہ عدالتوں کو تو چاہیے کہ وہ قوانین کی ایسی تشریح کرتے ہوئے فیصلے دیں جن سے ان قوانین اور قراردادِ مقاصد کے تقاضوں کو باہم جمع کیا جاسکے۔ عدالتوں کی یہ ذمہ داری نہیں کہ دستور کے کسی حکم کو قراردادِ مقاصد کے خلاف قرار دیں۔

پھر اسی سال ایک اور مقدمے[16] میں سپریم کورٹ نے یہ فیصلہ دیا کہ دستور کی دفعہ ۲۲۷ (۲)[17] میں مذکور پابندی کا انطباق ریاستی عہدیداروں کے فیصلوں پر نہیں ہوتا، خواہ وہ عدالتی یا نیم عدالتی محکموں سے تعلق رکھتے ہوں یا دیگر ایسے محکموں سے تعلق رکھتے ہوں جو عملی طور پر قوانین کو نافذ کرتے ہیں، برخلاف ان اداروں کے جن کا کام قانون سازی کرنا یا قانون سازی کے اصول وضع کرنا ہے۔ اور پاکستان کی اعلیٰ عدالتوں کو یہ حق حاصل ہوگا کہ وہ دفعہ ۲۲۷ (۱) یا دفعہ ۲ الف کی بنیاد پر (یعنی قراردادِ مقاصد کی روشنی میں) ان اداروں کے فیصلوں کو باطل قرار دے سکیں۔

ایک اور مقدمے[18] میں جج نے ذکر کیا ہے کہ ہائی کورٹ تو خود دستور کی پیداوار ہے لہٰذا اس پر لازم

ہے کہ وہ اپنے فیصلوں میں دستور کی مکمل تابعداری کرے۔ چنانچہ دستور کے کسی جزو پر نکتہ چینی تو درکنار یہ تو دستور کے کسی جزو کا اعلان بھی نہیں کرسکتیں، کیونکہ یہ تو صرف پارلیمان کا کام ہے۔ نیز جج نے یہ بھی کہا کہ کسی بھی قانون کو قراردادِ مقاصد کی کسوٹی پر جانچ کر اسلام کے موافق بنانے کی کوشش کرنا عدالت کے دائرۂ اختیار سے باہر ہے۔

ایک دوسرے مقدمے[19] میں اسی جج نے اس بات کی طرف اشارہ کیا کہ دفعہ ۲ الف دستور کا ایسا حصہ نہیں جو خود بخود نافذ العمل ہو، نہ ہی ہائی کورٹ کو یہ اختیار حاصل ہے کہ وہ کسی قانون کو قراردادِ مقاصد کے معیار پر جانچنے پرکھنے کی کوشش کرے۔[20]

سپریم کورٹ نے دستور کی دفعہ ۲۷۰ الف سے متعلق[21]...... جو کہ ۵ جولائی ۱۹۷۷ء کے اعلان اور ایسے تمام صدارتی فرامین، مارشل لاء ضوابط، اور دیگر قوانین (جن میں ۱۹۸۵ء کا استصواب اور دستور کی دوسری اور تیسری ترامیم بھی شامل ہیں) اور ان کے علاوہ ان تمام احکامات وقوانین کو جو ۵ جولائی ۱۹۷۷ء سے لے کر اس دفعہ کے نفاذ تک صادر ہوئے، ان تمام کو ان کے نتائج وآثار سمیت کسی بھی عدالت میں چیلنج کئے جانے سے تحفظ فراہم کرتی ہے...... اپنے فیصلے میں کہا کہ قراردادِ مقاصد میں شامل ہدایات اور اصول محض کچھ متقی حضرات کی تمنائیں نہیں جو انہیں خوش کرنے کے لئے دستور کے دیباچے میں سجادی گئی ہوں، بلکہ یہ دستور کا اساسی اور نافذ العمل جزو ہیں۔ ریاست کا کوئی بھی اہلکار اگر قراردادِ مقاصد کی حدود سے تجاوز کرے تو اس کے عمل کو قرآن وسنت سے ثابت شدہ حدودِ الٰہی اور تقاضاہائے شریعت پر پرکھنے کے بعد ان کی مخالفت کی صورت میں غیر قانونی سمجھا جائے گا۔ اسی طرح وہ آخری احکامات جنہیں دستور کی دفعہ ۲۷۰ الف کی بنیاد پر تحفظ فراہم کیا گیا ہے اگر یہ بھی اسلام اور قراردادِ مقاصد سے متعارض ہوں تو عدالتیں اس بات کی پابند ہیں کہ اس دفعہ سے صرفِ نظر کرتے ہوئے ان احکامات پر وہی فیصلہ لاگو کریں جو اللہ مالک الملک کے قانونِ اعلیٰ سے مطابقت نہ رکھنے والے احکامات پر صادر ہوتا ہے۔[22]

مذکورہ بالا فیصلوں کے نتیجے میں پاکستان کی اعلیٰ عدالتوں میں اس بات پر جھگڑا کھڑا ہوگیا کہ دستور کی دیگر دفعات کے مقابلے میں دفعہ ۲ الف کی حیثیت کیا ہے؟ اور آیا یہ دفعہ خود بخود نافذ العمل ہے یا نہیں؟ یہ اختلاف اس وقت اپنی انتہا پر پہنچ گیا جب لاہور ہائی کورٹ کے سامنے بہت سے فریقوں کی جانب سے اس صدارتی فرمان[23] کے خلاف درخواستیں پیش کی گئیں جس میں صدر نے دستور کی دفعہ ۴۵ الف سے

حاصل شدہ اختیارات کو استعمال کرتے ہوئے سزائے موت کے ان تمام فیصلوں کو بدل ڈالا جو ۶ دسمبر ۱۹۸۸ء تک فوجی و غیر فوجی عدالتوں سے صادر ہوئے تھے۔ لاہور ہائی کورٹ کے تمام ججوں پر مشتمل پینل نے ان تمام درخواستوں پر ۱۴ جنوری ۱۹۹۶ کو فیصلہ صادر کرتے ہوئے کہا کہ:

دفعہ ۲ الف دستور کا ایک فعال جزو ہے۔ کوئی بھی عدالت یہ قدرت نہیں رکھتی کہ اسے نافذ کرنے سے انکار کرے۔ عنقریب وفاقی شرعی عدالت اس حوالے سے دستور کی فصل ۳ الف کے تحت حاصل اختیارات استعمال کرے گی، جبکہ دیگر عدالتیں باقی قوانین کے حوالے سے اپنے اختیارات استعمال کریں گی۔ نیز عدالتوں کو یہ حق حاصل ہے کہ وہ درپیش مقدمات کے حوالے سے یہ اعلان کریں کہ فلاں فلاں قوانین قرآنِ کریم اور سنتِ نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے ثابت شدہ اسلامی تعلیمات کے منافی یا ان کے موافق ہیں۔

اگر یہ سزائیں صادر ہونے کی تاریخ اور صدرِ پاکستان کے زیرِ بحث فیصلے کی تاریخ سے صرفِ نظر کرتے ہوئے صرف اس فیصلہ کن سوال کا جائزہ لیا جائے جو عدالت کو اس وقت درپیش ہے کہ آیا اسلامی جمہوریۂ پاکستان کے دستور کی دفعہ ۲ الف کی روشنی میں صدرِ پاکستان ایسے اختیارات کا مالک ہوسکتا ہے کہ وہ موت کی سزا میں تبدیلی کرے؟...... تو کتابِ عزیز میں درج قانونِ قصاص و دیت کی روشنی میں ہمارا جواب نفی کی صورت میں ہوگا۔ لہٰذا صدرِ پاکستان کو سزائے موت کے احکامات میں ترمیم کا حق حاصل نہیں ہے کیونکہ یہ حدود اور قصاص و دیت کے احکامات سے تعلق رکھتے ہیں، جن میں تبدیلی کا حق کسی انسان کو حاصل نہیں۔ اس لئے ہم سمجھتے ہیں کہ ان حالات میں معافی کا حق صرف اولیائے مقتول کو حاصل ہوتا ہے۔ جن حالات میں سزائے موت کے مذکورہ بالا فیصلے صادر کئے گئے تھے ان میں تو صدر کو کسی قسم کی معافی یا ترمیم وغیرہ کا حق حاصل نہیں، البتہ اگر حالات اس سے مختلف ہوں مثلاً کسی مجرم کو بطور تعزیر کوئی سزا دی جائے تو ایسی صورت میں صدر کو معاف کرنے کا اختیار ہے اور مفادِ عامہ بھی اسی میں ہے۔

دفعہ ۲ الف کی حیثیت کے حوالے سے یہ فیصلہ باقی تمام فیصلوں سے زیادہ اہمیت کا حامل ہے لیکن لاہور ہائی کورٹ کے اس فیصلے کے خلاف سپریم کورٹ میں اپیل دائر کی گئی [۲۴]۔ سپریم کورٹ نے اس فیصلے پر کچھ تحفظات ظاہر کرنے کے بعد یہ تمام مقدمات نظرِ ثانی کے لئے دوبارہ لاہور ہائی کورٹ کے پاس بھیجے

اور ساتھ ہی یہ بھی کہا کہ عدالتوں کو یہ اختیار حاصل نہیں کہ اللہ سبحانہ وتعالیٰ کی مقرر کردہ حدود سے تجاوز کی بنیاد پر کسی قانون کے بطلان کا اعلان کریں۔

سپریم کورٹ نے یہاں یہ بات بھی کہی کہ اس طرح کسی قانون کو رد کرنا صرف عدالتی نظر ثانی کے بجائے قانون سازی کے پورے عمل کی جانچ پڑتال اور اس پر نظر ثانی کا دروازہ کھول دے گا، حالانکہ دفعہ ۲ الف میں بیان کردہ حدود کا خیال رکھنے کی ذمہ داری عوامی نمائندگان پر عائد ہوتی ہے اور وہی اس کا اختیار رکھتے ہیں، نہ کہ عدالتیں [۲۵]۔ سپریم کورٹ کے جج نے اس بات کا تذکرہ بھی کیا کہ دستور میں دفعہ ۲ الف درج ہوجانے کے باوجود بھی اس حقیقت میں کوئی تبدیلی واقع نہیں ہوئی کہ قراردادِ مقاصد کی منظوری کے وقت اس کا ایک خاص کردار متصور تھا اور وہ یہ کہ یہ قرارداد دستور بنانے والوں کے لئے ایک روشن چراغ کی حیثیت رکھے گی اور دستور وضع کرنے کے عمل میں ان کی رہنمائی کرے گی، اور دستور سازی کے دوران ان اعلیٰ ترین مقاصد کو پیش نظر رکھا جائے گا جو اس میں بیان کئے گئے ہیں۔

اس بنا پر جج نے یہ مؤقف اختیار کیا کہ اگر دستور کی موجودہ دفعات اور انسانوں کے حقِ قانون سازی پر عائد ہونے والی شرعی حدود کے مابین کوئی تضاد پایا جاتا ہے تو اسے دور کرنے کے لئے وہی اسلوب اختیار کیا جائیگا جس کا تصور دستور کے مصنفین اور قراردادِ مقاصد منظور کرنے والوں نے پیش کیا تھا، یعنی اس کے لئے قومی اسمبلی کی طرف رجوع کیا جائے گا۔ پس عملاً دستور کی جس دفعہ پر اعتراض ہو، اس کی تصحیح خود دستور کے بیان کردہ نظام کے مطابق پارلیمان سے آئینی ترمیم کی منظوری کے ذریعے کی جاسکتی ہے، یہ تصحیح کرنا عدالتوں کا کام نہیں ہے۔[۲۶]

(۲) یہ بیرسٹر محمد رفیق بٹ کی کتاب سے چند اقتباسات تھے جن سے قراردادِ مقاصد اور دفعہ ۲ الف سے متعلق پاکستانی عدالتوں کے فیصلوں میں تضادات واضح ہوتے ہیں۔ آئندہ سطور میں ہم ان فیصلوں پر مختصراً تبصرہ کریں گے:

(الف) پاکستان کی ہائی اور سپریم کورٹ کے ججوں کے درمیان قراردادِ مقاصد اور دفعہ ۲ الف کے حوالے سے جو تضاد و اختلاف نظر آتا ہے، لامحالہ یہ دو اساسی وجوہات سے پیدا ہوا ہے:

اولاً، ان دونوں کو وضع کرتے وقت انتہائی مبہم اور پیچیدہ انداز اختیار کیا گیا ہے اور...... جیسا کہ ہم پہلے بیان کرچکے ہیں...... ان کی عبارت سے یہ بات قطعیت کے ساتھ نہیں ثابت ہوتی کہ پاکستان میں

قانون سازی کا اصل ماخذ شریعتِ الٰہی ہے، اقتدارِ اعلیٰ بھی اسی کو حاصل ہے اور اس سے متصادم و مخالف ہر قانون باطل ہے۔ سچ تو یہ ہے کہ حق و باطل کو خلط ملط کرنے کا آغاز دستور کی ابتدائی سطور سے ہی ہو جاتا ہے۔ اگر قراردادِ مقاصد اور دفعہ ۲ الف میں یہ بات دوٹوک اور واضح انداز میں درج ہوتی کہ شریعتِ اسلامیہ قانون سازی کا سب سے اعلیٰ اور واحد ماخذ ہے، کوئی بھی قانون اس سے متصادم نہیں ہوسکتا اور اگر کوئی قانون یا دستوری دفعہ اس کے خلاف پائی گئی تو وہ باطل قرار پائے گی......اگر یہ انداز اختیار کیا جاتا تو تو مندرجہ بالا جھگڑے اور اختلافات سرے سے پیدا ہی نہ ہوتے۔

ثانیاً، دستور بنانے والوں نے صرف اتنا غضب ہی نہیں ڈھایا کہ تطبیقِ شریعت سے متعلقہ دفعات کو مبہم انداز میں تشکیل دیا، بلکہ ساتھ ہی ساتھ انہوں نے دستور میں ایسی دفعات بھی درج کر دیں جو شریعت سے صراحتاً متصادم تھیں۔ پس یہ دستور...... جو ''ابوالقوانین'' بھی کہلاتا ہے......ایک عجیب سے ملغوبے میں تبدیل ہو کر ججوں کے لئے مزید پیچیدگی کا باعث بن گیا۔

(ب) مذکورہ بالا اقتباسات کے مطالعے سے پاکستانی ججوں کے افکار و نظریات میں بھی تضادات وابہامات واضح نظر آتے ہیں۔ شاید یہ بحیثیتِ مجموعی پاکستانی معاشرے میں پائے جانے والے انتشارِ فکری ہی کا عکس ہے۔ اس فکری انتشار اور اختلافِ آراء کا پایا جانا اس لئے بھی باعثِ حیرت نہیں کہ، جیسا کہ ہم پہلے ذکر کر چکے ہیں، پاکستان میں وفاقی شرعی عدالت اور سپریم کورٹ کے شریعہ مرافعہ بنچ کے علاوہ کسی بھی عدالت کا جج بننے کے لئے مسلمان ہونا شرط نہیں۔ نیز شرعی و غیر شرعی، کسی بھی قسم کی عدالت کا جج بننے کے لئے 'عادل' (پابندِ شرع) ہونا بھی لازم نہیں۔

میری رائے میں ججوں کا ایک گروہ ایسا ہے جن کے دلوں میں شریعت کی محبت اور دینی غیرت کا جذبہ ہے اور وہ شریعت کی حاکمیت دیکھنے کے خواہاں ہیں (یہ محض میری رائے ہے، اور حسیب اصلی تو اللہ تعالیٰ ہی ہے اور میں اللہ کے سامنے کسی کی پاکی نہیں بیان کرنا چاہتا)۔ پس اسی جذبے کے تحت انہوں نے قراردادِ مقاصد اور دفعہ ۲ الف کو بلند ترین مقام پر فائز کرنے کی کوشش کی ہے، یہاں تک کہ اسے دستور سے بھی بالاتر حیثیت دے کر یہ ثابت کرنا چاہا ہے کہ قرآن وسنت ہی پاکستان کا اعلیٰ ترین قانون ہے۔

لیکن ان کے اس مؤقف میں دو بنیادی کمزوریاں ہیں:

ایک تو یہ کہ قراردادِ مقاصد اور دفعہ ۲ الف کی عبارتوں سے ان کے مؤقف کی تائید نہیں ہوتی۔

دوسری یہ ہے کہ انہوں نے بھی دستور کو ہی مرجع اور معیار تسلیم کیا ہے اور شریعت کی بالادستی ثابت کرنے کے لئے بھی دستوری دفعات سے استدلال کیا ہے۔

یہ بات تو ہم پہلے ہی بیان کر چکے ہیں کہ شریعت کی نصوص اور دستور کی نام نہاد اسلامی دفعات میں تین بنیادی فرق ہیں:

(الف) دستور کی اسلامی دفعات اس بات کی محتاج ہیں کہ وہ اپنی رسمی حیثیت منوانے کے لئے غالب اکثریت کی تائید سے دستور میں باقاعدہ طور پر درج ہوں، جب کہ نصوصِ شریعت نہ صرف انسانوں کی تائید سے بے نیاز ہیں، بلکہ خود انسانوں پر حاکم بن کر اترتی ہیں۔

(ب) دستور خود بھی عوامی حاکمیت کا نمائندہ ہے، اور کسی دستور کو بطور دستور تبھی تسلیم کیا جاتا ہے جب عوام کی اکثریت استصواب یا عوامی نمائندگان کے واسطے سے اسے منظوری بخشے۔ اس کے برعکس شریعت کا اللہ مالک الملک کی طرف سے نازل ہونا ہی اس کی حاکمیت ثابت کرنے کے لئے کافی ہے اور اس کی حاکمیت قبول کرنے یا نہ کرنے کے معاملے پر استصواب یا رائے شماری کرانا قطعاً جائز نہیں۔

(ج) پارلیمان کی غالب اکثریت کو یہ حق حاصل ہے کہ وہ جیسے چاہے دستوری دفعات میں تبدیلی یا ترمیم کر دے، جبکہ حکمِ شریعت کو تبدیل کرنے کا حق کسی کو حاصل نہیں۔

ججوں کا دوسرا گروہ اس رائے سے اختلاف کرتا ہے۔ اس گروہ کا کہنا ہے کہ قراردادِ مقاصد اور دفعہ ۲ الف دستور کا مؤثر جزو ہی نہیں، لہٰذا کسی دستوری دفعہ یا کسی قانون کو شرعی احکامات سے تصادم کی بنیاد پر باطل نہیں قرار دیا جا سکتا۔ اور جیسا کہ ہم پہلے دیکھ چکے ہیں، جج حضرات میں عموماً یہی رائے عام ہے۔

تیسرا فریق اس رائے کا حامل ہے کہ قراردادِ مقاصد کے تقاضوں اور دستور کی دیگر دفعات و قوانین کے درمیان جمع و تطبیق کی راہ اختیار کرنی چاہیے۔

ہ۔ پاکستانی دستور اور قوانین میں غیر شرعی مواد موجود ہے

درج بالا بحث میں ہم نے دستورِ پاکستان کی ابتدائی سطور میں موجود حق و باطل کی آمیزش، قراردادِ مقاصد کی مبہم عبارات اور حجیتِ شریعت اور حجیتِ دستور میں پائے جانے والے فرق کا جائزہ لیا ہے۔ نیز اسی بحث سے یہ بات بھی واضح ہو گئی ہے کہ قراردادِ مقاصد اور اس کے عملی اثرات کے حوالے سے ججوں

کے فہم میں کس قدر تضاد پایا جاتا ہے۔

میری کوشش ہوگی کہ آئندہ سطور میں یہ امر واضح کروں کہ ایک بات تو بہر حال سبھی کو ماننا ہوگی...... خواہ وہ قرآن وسنت کو ملک کا اعلیٰ ترین قانون سمجھتے ہوں یا یہ رائے رکھنے والوں سے اختلاف کرتے ہوں...... کہ پاکستانی دستور اور پاکستانی قوانین میں شریعتِ اسلامی سے متعارض ومتصادم کافی مواد موجود ہے۔اس حقیقت کا اعتراف تو خود پاکستان کی ہائی کورٹ اور سپریم کورٹ نے بھی کیا ہے اور پاکستانی نظام اور اس کے دستور وقوانین کے غیر شرعی ہونے کے لئے صرف یہی ایک بات کافی ہے۔ اگر ہم ایک لمحے کے لئے یہ فرض کرلیں کہ کسی سلطنت کے تمام نظام اور قوانین شریعت کے مطابق اور اس کے تابع ہیں لیکن وہ صرف ایک ایسا قانون بنالے جو شریعت سے متصادم ہو تو وہ حکومت غیر اسلامی حکومت کہلائے گی۔ بلکہ علماء کا تو اس بات پر بھی اجماع ہے کہ اگر وہ حکومت اس قانون سے رجوع نہ کرے تو اس کے خلاف قتال واجب ہوجاتا ہے۔سورۃ المائدۃ کی جن آیات سے ہم پہلے استدلال کر چکے ہیں ان میں اللہ سبحانہ وتعالیٰ اپنے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو اس بات سے خبردار کرتے ہیں کہ کہیں مشرکین انہیں اللہ تعالیٰ کے نازل کردہ کسی حکم سے بہکا نہ دیں۔فرمایا:

﴿وَاَنِ احْكُمْ بَيْنَهُمْ بِمَآ اَنْزَلَ اللّٰهُ وَلَا تَتَّبِعْ اَهْوَآءَهُمْ وَاحْذَرْهُمْ اَنْ يَّفْتِنُوْكَ عَنْ بَعْضِ مَآ اَنْزَلَ اللّٰهُ﴾ (المآئدة:۴۹)

''اور ان کے درمیان اللہ کی نازل کردہ شریعت کے مطابق فیصلہ کیجئے، اور ان سے بچئے کہ یہ اللہ کی جانب سے آپ کی طرف نازل کردہ کسی حکم سے آپ کو بہکا نہ دیں''۔

اور فرمایا:

﴿اِنَّ الَّذِيْنَ ارْتَدُّوْا عَلٰٓى اَدْبَارِهِمْ مِّنْۢ بَعْدِ مَا تَبَيَّنَ لَهُمُ الْهُدَى الشَّيْطٰنُ سَوَّلَ لَهُمْ وَاَمْلٰى لَهُمْ. ذٰلِكَ بِاَنَّهُمْ قَالُوْا لِلَّذِيْنَ كَرِهُوْا مَا نَزَّلَ اللّٰهُ سَنُطِيْعُكُمْ فِيْ بَعْضِ الْاَمْرِ وَاللّٰهُ يَعْلَمُ اِسْرَارَهُمْ. فَكَيْفَ اِذَا تَوَفَّتْهُمُ الْمَلٰٓئِكَةُ يَضْرِبُوْنَ وُجُوْهَهُمْ وَ اَدْبَارَهُمْ. ذٰلِكَ بِاَنَّهُمُ اتَّبَعُوْا مَآ اَسْخَطَ اللّٰهَ وَكَرِهُوْا رِضْوَانَهٗ فَاَحْبَطَ اَعْمَالَهُمْ﴾ (سورة محمد:۲۵۔۲۸)

''بے شک جو لوگ ہدایت واضح ہوجانے کے بعد پشت پھیر کر مرتد ہوگئے۔ شیطان نے (یہ

کام) ان کو مزین کر دکھایا اور انہیں طول (عمر کا وعدہ) دیا۔ یہ اس لیے کہ جو لوگ اللہ کی نازل کردہ شریعت سے بیزار ہیں، یہ ان سے کہتے ہیں کہ بعض کاموں میں ہم تمہاری بات بھی مانیں گے، اور اللہ انکے پوشیدہ مشوروں سے واقف ہے۔ تو اس وقت (ان کا) کیا حال ہوگا جب فرشتے ان کی جان نکالیں گے اور ان کے چہروں اور پیٹھوں پر مارتے جائیں گے۔ یہ اس لیے کہ جس چیز سے اللہ ناخوش ہے، یہ اس کے پیچھے چلے اور اس کی خوشنودی کو ناپسند کیا، تو اس نے بھی انکے اعمال کو برباد کر دیا''۔

گزشتہ صفحات میں قارئین حافظ ابن کثیر رحمہ اللہ کا وہ قول بھی پڑھ چکے ہیں [۲۷] جس میں آپ نے چنگیز خان کی وضع کردہ کتاب ''یاسق'' کے بارے میں شریعت کا حکم بیان کیا ہے جو کہ اسلام، تاتاری رسوم وروایات اور دیگر شریعتوں کا ایک مخلوط مرکب تھا۔

نیز اس بات پر علماء کا اجماع ہے کہ جو گروہ بھی اسلام کے کسی صریح حکم کو بجا لانے سے رُکا رہے **(طائفة ممتنعة عن شريعة من شرائع الاسلام الظاهرة)** تو اس کے خلاف قتال کیا جائے گا۔ شیخ الاسلام ابن تیمیہ رحمہ اللہ سے جب ان لوگوں کے بارے میں پوچھا گیا جنہیں نماز پڑھنے کی دعوت دی جائے لیکن وہ نماز پڑھنے سے انکاری رہیں، تو آپؒ نے جواب دیا:

''**وكذلك كل طائفة ممتنعة عن شريعة واحدة من شرائع الإسلام الظاهرة، أو الباطنة المعلومة، فإنه يجب قتالها، فلو قالوا: نشهد ولا نصلي قوتلوا حتى يصلوا، ولو قالوا: نصلي ولا نزكي قوتلوا حتى يزكوا، ولو قالوا: نزكي ولا نصوم ولا نحجّ، قوتلوا حتى يصوموا رمضان، ويحجوا البيت. ولو قالوا: نفعل هذا لكن لا ندَع الربا، ولا شرب الخمر، ولا الفواحش، ولا نجاهد في سبيل الله، ولا نضرب الجزية على اليهود والنصارى، ونحو ذلك. قوتلوا حتى يفعلوا ذلك. كما قال تعالى: ﴿وَقَاتِلُوهُمْ حَتَّى لَا تَكُونَ فِتْنَةٌ وَيَكُونَ الدِّينُ كُلُّهُ لِلَّهِ﴾. وقد قال تعالى: ﴿يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا اتَّقُوا اللهَ وَذَرُوا مَا بَقِيَ مِنَ الرِّبَا إِنْ كُنْتُمْ مُؤْمِنِينَ﴾ ﴿فَإِنْ لَمْ تَفْعَلُوا فَأْذَنُوا بِحَرْبٍ مِنَ اللهِ وَرَسُولِهِ﴾. والربا آخر ما حرّم الله، وكان أهل الطائف قد أسلموا وصلوا**

و جاهدوا، فبين الله أنهم إذا لم ينتهوا عن الربا، كانوا ممن حارب الله ورسوله.

و في الصحيحين أنه لما توفي رسول الله ـ صلى الله عليه و سلم ـ و كفر من كفر من العرب، قال عُمَر لأبي بكر: كيف تقاتل الناس؟ و قد قال النبي صلى الله عليه و سلم ''أمرت أن أقاتل الناس حتى يشهدوا أن لا إله إلا الله، و أني رسول الله. فإذا فعلوا ذلك عصموا مني دماء هم و أموالهم إلا بحقها''. فقال أبو بكر: ألم يقل: إلا بحقها؟. والله لو منعوني عقالاً كانوا يؤدونه إلى رسول الله صلى الله عليه و سلم لقاتلتهم عليه. قال عُمَر: فوالله ما هو إلا أن رأيت الله قد شرح صدر أبي بكر للقتال، فعلمت أنه الحق''.

''ہر وہ گروہ جو اسلام کے معلوم احکامات......خواہ ظاہری ہوں یا باطنی......میں سے کسی ایک بھی حکم پر عمل پیرا ہونے سے انکار کرے تو اس کے خلاف قتال واجب ہو جاتا ہے۔ مثلاً اگر کوئی گروہ کہے کہ ہم وحدانیتِ الٰہی اور رسالتِ نبویؐ کی گواہی تو دیتے ہیں لیکن نماز نہیں پڑھیں گے، تو ان کے خلاف قتال کیا جائے گا یہاں تک کہ وہ نماز پڑھنے لگیں۔ اسی طرح اگر وہ کہیں کہ ہم نماز تو پڑھیں گے لیکن زکوٰۃ نہیں دیں گے تو ان کے خلاف قتال کیا جائے گا یہاں تک کہ وہ زکوٰۃ دینے لگیں۔ یا پھر وہ کہیں کہ ہم زکوٰۃ تو دیں گے لیکن نہ تو روزے رکھیں گے نہ ہی حج کریں گے تو ان سے قتال کیا جائے گا یہاں تک کہ وہ رمضان کے روزے رکھیں اور بیت اللہ کا حج کریں۔ اسی طرح اگر وہ کہیں کہ ہم یہ سب کچھ کریں گے لیکن نہ تو سود چھوڑیں گے، نہ شراب نوشی و فواحش ترک کریں گے، نہ اللہ کے رستے میں جہاد کریں گے اور نہ ہی یہود و نصاریٰ پر جزیہ عائد کریں گے تو ان سے قتال کیا جائے گا یہاں تک کہ وہ یہ تمام احکام بجالائیں، جیسا کہ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: ﴿اور ان سے قتال کرو، یہاں تک کہ فتنہ باقی نہ رہے اور پورے کا پورا دین اللہ کے لئے خالص ہو جائے﴾

اور فرمایا: ﴿اے ایمان والو! اللہ سے ڈرو اور اگر تم مومن ہو تو جو کچھ سود باقی ہے اسے چھوڑ دو، پس اگر تم نے ایسا نہ کیا تو اللہ اور اس کے رسول کی طرف سے اعلان جنگ سن لو﴾

اللہ رب العزت نے سب سے آخر میں سود کو حرام قرار دیا اور اہل طائف کو......جو اسلام قبول

کر چکے تھے، نمازیں بھی پڑھتے تھے اور جہاد تک کرتے تھے...... خبردار کیا کہ اگر وہ سود سے باز نہ آئے تو انہیں اللہ اور اس کے رسول ؐ سے جنگ کرنے والوں میں شمار کیا جائے گا۔

نیز صحیحین میں روایت ہے کہ جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم وفات پا گئے اور اہلِ عرب کی بہت بڑی تعداد دین سے پھر (کر مرتد ہو) گئی، تو حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ سے کہا: آپ کس بنیاد پر لوگوں سے قتال کریں گے جبکہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم یہ ارشاد فرما چکے ہیں کہ:

''مجھے حکم ہے کہ میں لوگوں سے قتال کروں یہاں تک کہ وہ اس بات کی گواہی دیں کہ اللہ کے علاوہ کوئی معبودِ برحق نہیں، اور میں اللہ کا رسول ہوں۔ پس اگر وہ ایسا کرلیں تو مجھ سے اپنے خون اور اموال محفوظ کرلیں گے، سوائے اس کے جو حق (ان سے وصول کرنا) شریعت ہی نے مقرر کیا ہو''۔

تو حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے فرمایا:

''کیا آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ نہیں فرمایا کہ ''سوائے اس کے جو حق ان سے وصول کرنا شریعت ہی نے مقرر کیا ہو''۔ اللہ کی قسم! اگر یہ لوگ وہ ایک رسی بھی جو یہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو (بطور زکوٰۃ) دیا کرتے تھے مجھے دینے سے انکار کریں گے تو میں اس کی خاطر بھی ان سے قتال کروں گا''۔

حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا:

''اللہ کی قسم! جب میں نے یہ دیکھا کہ اللہ تعالیٰ نے (مرتدین کے خلاف) قتال کے لئے حضرت ابوبکرؓ کا سینہ کھول دیا ہے تو میں سمجھ گیا کہ انہی کا مؤقف مبنی برحق ہے''۔ [۲۸]

اسی طرح جب امام ابنِ تیمیہ رحمہ اللہ سے تاتاریوں کے متعلق سوال ہوا تو فرمایا:

''الحمد لله كل طائفة ممتنعة عن التزام شريعة من شرائع الإسلام الظاهرة المتواترة؛ من هؤلاء القوم و غيرهم فإنه يجب قتالهم، حتى يلتزموا شرائعه وإن كانوا مع ذلك ناطقين بالشهادتين و ملتزمين بعض شرائعه، كما قاتل أبوبكر الصديق والصحابة ـ رضي الله عنهم ـ مانعي الزكاة. و على ذلك اتفق

الفقهاء بعدهم بعد سابقة مناظرة عمر لأبي بكر رضي الله عنهما. فاتفق الصحابة ـ رضي الله عنهم ـ على القتال على حقوق الإسلام عملا بالكتاب والسنة. و كذلك ثبت عن النبي ـ صلى الله عليه و سلم ـ من عشرة أوجُهٍ الحديث عن الخوارج، و أخبر أنهم شر الخلق و الخليقة مع قوله: "تحقّرون صلاتكم مع صلاتهم و صيامكم مع صيامهم". فعُلم أن مجرد الاعتصام بالإسلام مع عدم التزام شرائعه ليس بمسقط للقتال. فالقتال واجب حتى يكون الدين كله لله، و حتى لا تكون فتنة. فمتى كان الدين لغير الله فالقتال واجب. فأيما طائفة امتنعت من بعض الصلوات المفروضات أو الصيام أو الحج أو عن التزام تحريم الدماء و الأموال و الخمر و الزنا والميسر أو عن نكاح ذوات المحارم أو عن التزام جهاد الكفار أو ضرب الجزية على أهل الكتاب و غير ذلك من واجبات الدين و محرماته ـ التي لا عذر لأحد في جحودها و تركها ـ التي يكفر الجاحد لوجوبها. فإن الطائفة الممتنعة تُقاتل عليها، و إن كانت مقِرّةً بها. و هذا ما لا أعلم فيه خلافا بين العلماء. و إنما اختلف الفقهاء في الطائفة الممتنعة إذا أصرّت على ترك بعض السنن كركعتي الفجر و الأذان و الإقامة ـ عند من لا يقول بوجوبها ـ و نحو ذلك من الشعائر. هل تُقاتل الطائفة الممتنعة على تركها أم لا؟ فأما الواجبات والمحرمات المذكورة و نحوها فلا خلاف في القتال عليها".

"تمام تعریف اللہ ہی کے لئے ہے...... ہر وہ گروہ جو اسلام کے معروف و متواتر احکامات میں سے کسی ایک حکم پر بھی عمل پیرا ہونے سے انکار کرے اس کے خلاف قتال واجب ہو جاتا ہے، خواہ وہ تاتاریوں میں سے ہو یا کسی دوسری قوم سے تعلق رکھتا ہو۔ یہ قتال اس وقت تک واجب رہتا ہے جب تک یہ ان احکاماتِ الٰہی کی پابندی نہ اختیار کرلیں۔ نیز ان کا اپنی زبان سے کلمے کی گواہی دینا اور بعض دیگر احکاماتِ شریعت کی پابندی کرنا بھی اس قتال میں مانع نہیں، بالکل اسی طرح جیسے حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے مانعینِ زکوٰۃ کے

کے خلاف قتال کیا (حالانکہ وہ کلمہ گو بھی تھے اور دیگر تمام عبادات بھی ادا کیا کرتے تھے)۔
اگرچہ ابتداء میں حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اس مسئلے پر حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ سے بحث کی، لیکن بعد میں (نہ صرف حضرت عمر رضی اللہ عنہ حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ کی رائے سے متفق ہو گئے، بلکہ) تمام صحابہ رضی اللہ عنہم اور ان کے بعد والے فقہاء بھی اس مسئلے پر متفق ہو گئے کہ کتاب وسنت کی تعلیمات اس بات کی متقاضی ہیں کہ اسلام کے مقرر کردہ حقوق وصول کرنے کی خاطر (ایسے لوگوں سے) قتال کیا جائے (جو یہ حقوق ادا کرنے سے انکاری ہوں)۔

اسی طرح نبیٔ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے بھی دس سندوں کے ساتھ خوارج والی حدیث ثابت ہے جس میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے بتایا کہ یہ لوگ بدترین مخلوق ہیں، اور ساتھ ہی آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کا یہ وصف بھی بیان فرمایا کہ:

''تم لوگ اپنی نمازوں کو ان کی نمازوں کے مقابل اور اپنے روزوں کو ان کے روزوں کے مقابل حقیر جانو گے''۔

اس سے معلوم ہوا کہ احکاماتِ اسلام کا التزام کئے بغیر اسلام قبول کرنے سے قتال ساقط نہیں ہوتا۔ قتال تو واجب رہتا ہے یہاں تک کہ فتنے کا خاتمہ ہو جائے اور دین پورے کا پورا اللہ ہی کے لئے خالص ہو جائے۔ پس جب تک دین کا کچھ حصہ غیر اللہ کے لئے ہو، قتال واجب رہے گا۔ لہٰذا جو گروہ بھی کسی فرض نماز، (رمضان کے) روزوں یا حج جیسے فرائض ادا کرنے سے رکا رہے یا پھر ناحق خون بہانے، مال لوٹنے، شراب پینے، زنا کرنے، جوا کھیلنے، محرم رشتہ داروں سے نکاح کرنے جیسے افعال کی حرمت کا التزام نہ کرے، یا کفار کے خلاف جہاد اور اہلِ کتاب پر جزیہ عائد کرنے کے حکم الٰہی کی پابندی اختیار نہ کرے اور ایسے ہی دیگر دینی واجبات اور محرمات ......جن کا انکار کرنے یا جنہیں ترک کرنے کی شرعاً کوئی گنجائش نہیں، اور جن کے وجوب کا انکار کرنے والا کافر ہو جاتا ہے...... جو گروہ بھی عملاً ان امور کی پابندی اختیار کرنے سے رکا رہے تو اس کے خلاف قتال کیا جائے گا چاہے وہ اس کے وجوب کا اقرار ہی کیوں نہ کرتا ہو۔ میرے علم کے مطابق اس مسئلے میں علماء کے درمیان کوئی اختلاف نہیں پایا جاتا۔ البتہ اس

گروہ کے متعلق فقہاء کے درمیان اختلاف پایا جاتا ہے جو بعض سنتوں کے ترک پر دوام اختیار کرے، مثلاً جو فجر کی دو سنتیں، اذان، اقامت اور ایسے دیگر شعائر یکسر ترک کر دے (یہ ان علماء کے نزدیک جو ان اعمال کو واجب نہیں بلکہ سنت سمجھتے ہیں)۔ پس ایسے گروہ کے خلاف قتال کرنے، نہ کرنے کے مسئلے پر علماء کے درمیان اختلاف پایا جاتا ہے، لیکن مذکورہ بالا واجبات و محرمات وغیرہ کی پابندی ترک کرنے والوں کے خلاف قتال پر تو کوئی اختلاف نہیں پایا جاتا''۔ [۲۹]

اسی طرح امام ابنِ تیمیہ رحمہ اللہ سے ایسے گروہ کے متعلق پوچھا گیا جو طاقت وقوت رکھنے کے باوجود شرعی احکامات قائم نہیں کرتا، کیا ان کے خلاف قتال جائز ہے؟ تو آپ رحمہ اللہ نے فرمایا:

''**نعم. يجوز؛ بل يجب بإجماع المسلمين قتال هؤلاء و أمثالهم من كل طائفة ممتنعة عن شريعة من شرائع الإسلام الظاهرة المتواترة؛ مثل الطائفة الممتنعة عن الصلوات الخمس أو عن أداء الزكاة المفروضة إلى الأصناف الثمانية ـ التي سماها الله تعالى في كتابه ـ أو عن صيام شهر رمضان أو الذين لا يمتنعون عن سفك دماء المسلمين و أخذ أموالهم أو لا يتحاكمون بينهم بالشرع الذي بعث الله به رسوله، كما قال أبو بكر الصديق و سائر الصحابة ـ رضي الله عنهم ـ في مانعي الزكاة، وكما قاتل عليّ بن أبي طالب وأصحاب النبي ـ صلى الله عليه و سلم ـ الخوارج**''.

''جی ہاں! جائز ہے، بلکہ اس امر پر تو مسلمانوں کا اجماع ہے کہ یہ اور ایسے دیگر گروہ جو اسلام کے کسی ایک بھی متواتر اور واضح حکم کی ادائیگی سے رکے رہیں، ان کے خلاف قتال واجب ہے۔ مثلاً وہ گروہ جو پانچ فرض نمازیں ادا نہ کرے، یا قرآنِ حکیم میں مذکور (زکوٰۃ کی) آٹھ مدات میں فرض زکوٰۃ ادا کرنے سے ہاتھ کھینچ لے، یا رمضان کے روزے نہ رکھے؛ یا وہ گروہ جو مسلمانوں کا ناحق خون بہانے اور مال لوٹنے سے نہ چوکے یا جس شریعت کے ساتھ اللہ تعالیٰ نے اپنے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کو مبعوث فرمایا، اسے اپنے باہمی فیصلوں میں حَکَم نہ بنائے......تو ایسے گروہ سے قتال کیا جائے گا، بالکل اسی طرح جیسے حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ اور تمام

صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے مانعینِ زکوٰۃ کے خلاف قتال کرنے کا موَقف اختیار کیا، اور جیسے حضرت علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ اور دیگر اصحابِ نبیؐ رضوان اللہ علیہم اجمعین نے خوارج سے قتال کیا''۔[۳۰]

حواشی

۱۔ اصل عبارت یوں ہے:

Whereas sovereignty over the entire Universe belongs to Almighty Allah alone, and the authority to be exercised by the people of Pakistan within the limits prescribed by Him is a sacred trust;

…………………………

Wherein the principles of democracy, freedom, equality, tolerance and social justice, as enunciated by Islam, shall be fully observed;

Wherein the Muslims shall be enabled to order their lives in the individual and collective spheres in accordance with the teachings and requirements of Islam as set out in the Holy Quran and Sunnah;

…………………………………..

Now, therefore, we, the people of Pakistan;

Conscious of our responsibility before Almighty Allah and men;

…………………………..

Faithful to the declaration made by the Founder of Pakistan, Quaid-i- Azam Mohammad Ali Jinnah, that Pakistan would be a democratic State based on Islamic principles of social justice;

Dedicated to the preservation of democracy achieved by the unremitting struggle of the people against oppression and tyranny. [THE CONSTITUTION OF THE ISLAMIC REPUBLIC OF PAKISTAN, 1973, Preamble].

۲۔ OBJECTIVE RESOLUTION

۳۔ اصل عبارت یوں ہے:

THE COSTITUTION OF PAKISTAN 1973, With Commentary, comments on article 2-A p: 52.

۴۔ اصل عبارت یوں ہے:

Islam to be State religion

2. Islam shall be the State religion of Pakistan.

2A. The Objectives Resolution to form part of substantive provisions

2A. The principles and provisions set out in the Objectives Resolution reproduced in the Annex are hereby made substantive part of the Constitution and shall have effect accordingly. [PART I Introductory, Article 2].

۵۔ اصل عبارت یوں ہے:

Now, therefore, we, the people of Pakistan;

………….

Do hereby, through our representatives in the National Assembly, adopt, enact and give to ourselves, this Constitution. [THE CONSTITUTION OF THE ISLAMIC REPUBLIC OF PAKISTAN, 1973, Preamble].

۶۔ جیسا کہ دوسرے باب کی دوسری فصل کے تیسرے تضاد میں صدرِ پاکستان کے کسی بھی جرم کو معاف کرنے کے حق پر بحث کے دوران یہ بات واضح کی جا چکی ہے۔

۷۔ پنجاب حکومت کیخلاف عاصمہ جہانگیر کا مقدمہ (PLD 1972 S.C.139)

۸۔ Grund norm

۹۔ یہ قراردادِ مقاصد کی اصل عبارت سے ملتی جلتی عبارت ہے۔

۱۰۔ انکوائری جج کے خلاف حسین نقی کا مقدمہ-لاہور-(PLD 1973 Lahore 164)

۱۱۔ ضیاء الرحمان کے خلاف ریاست کا مقدمہ(PLD 1973 S.C.49)

۱۲۔ محمد حسین کے خلاف حبیب بینک لمیٹڈ کا مقدمہ(PLD 1987 Karachi 612)

۱۳۔ پاکستان کے خلاف غلام مصطفیٰ کھر کا مقدمہ(PLD 1988 Lahore.49)

۱۴۔ وحید فیبرکس لمیٹڈ کے خلاف حبیب بینک لمیٹڈ کا مقدمہ(PLD 1989 Karachi.371)

۱۵۔ وفاق اسلامی جمہوریہ پاکستان کے خلاف شرف فریدی کا مقدمہ (PLD 1989 Karachi.404)

۱۶۔ انکم ٹیکس آفیسر کے خلاف عزیز احمد شیخ کا مقدمہ(PLD 1989 S.C.613)

۱۷۔ یہی وہ دفعہ ہے جو کہتی ہے کہ تمام قوانین قرآن وسنت کی تعلیمات کے مطابق ہونے چاہئیں۔آئندہ صفحات میں اس پر بحث ہوگی (انشاءاللہ)

۱۸۔ ولی محمد کے خلاف کنیز فاطمہ کا مقدمہ(PLD 1989 Lahore.490)

۱۹۔ یونائیٹڈ بینک لمیٹڈ کے خلاف ماسو کا مقدمہ(1990 MLD 2340)

۲۰۔ THE COSTITUTION OF PAKISTAN 1973, With Commentary, comments on article 2-A p: 52 to 54.

۲۱۔ 1990 CLC 1683.

۲۲۔ THE COSTITUTION OF PAKISTAN 1973, With Commentary, comments on article 227 p: 384.

۲۳۔ صداقتی خطاب نمبر (8/15/88 PTNS Islamabad) تاریخ 7/12/1988

۲۴۔ حکومتِ پاکستان کے خلاف حکم خان ولد فضل الٰہی اور دو دوسرے اشخاص کا مقدمہ(Cri. P.L.A. NO.100 of 1992)

۲۵۔ اسی طرح ایک فتویٰ مصر کی آئینی سپریم کورٹ نے بھی مصری دستور کی دفعہ ۱۶۵ کی بنیاد پر دیا تھا جو یہ کہتی ہے کہ عدالتوں کے فیصلے صرف ملکی قانون پر مبنی ہوں گے۔لہٰذا کوئی جج خود ساختہ قانون کے بجائے شریعت کے مطابق فیصلہ نہیں دے سکتا۔اسی وجہ سے جب مصری قاضی (جج) مشیر محمد محمود غراب نے ایک شرابی پر جسے سرِ عام نشے کی حالت میں گرفتار کیا گیا تھا، اسّی کوڑوں کا حکم جاری کیا تو یہ فیصلہ نافذ نہ ہو سکا اور اسے سنت کے موافق ہونے کے باوجود باطل شمار کیا گیا کیونکہ یہ مصری قانون کے مخالف تھا۔ بلکہ اس فیصلے کو قاضی محمود غراب کے خلاف عدالتی چارہ جوئی کی بنیاد بناتے ہوئے وزارتِ عدل کی عدالتی تفتیش کے ادارے نے انہیں نوٹس جاری کیا جس کا نمبر شمار یہ ہے (۵-۸۱-۱۹۸۱) اور اس میں مندرجہ بالا فیصلے کے بطلان کو ثابت کرتے ہوئے کہا گیا کہ ''اس فیصلے پر یہ اعتراض ہے کہ جب یہ قانون قرار پا چکا ہے کہ سزا صرف قانون کی بنیاد پر ہوگی اور صرف انہی افعال پر سزا دی جا سکتی ہے جو قانون کی تاریخ نفاذ کے بعد صادر ہوں، اور قوانین میں سزائیں متعین کی جا چکی ہیں اور ان سزاؤں میں مذکورہ ملزم کو کوڑے مارنے والی سزا نہیں ہے لہٰذا یہ فیصلہ خلاف قانون ہوا ہے جس سے یہ فیصلہ باطل ہو جاتا ہے''۔اور پھر قاضی محمد محمود غراب کو اس فیصلے کے بعد قضاء سے ہٹا کر انتظامی ڈیوٹی پر لگا دیا گیا۔(اس مقدمے کی تفصیلات کیلئے قاضی محمد محمود غراب کی کتاب: ''أحكام اسلامية إدانة للقوانين الوضعية '' کی طرف مراجعت کیجئے)

۲۶
THE COSTITUTION OF PAKISTAN 1973, With Commentary, comments on article 2-A p: 54 to 56.

۲۷ باب دوم، فصل اول۔

۲۸ مجموع فتاویٰ ابن تیمیه ۸۴/۵

۲۹ مجموع فتاویٰ ابن تیمیه ۴۲۵/۶

۳۰ مجموع فتاویٰ ابن تیمیه ۴۲۹/۶

دوسری فصل

دستور کی دفعہ ۳۱

اسلامی طرز زندگی

دستور نے دفعہ ۳۱ کو ''اسلامی طرزِ زندگی'' کا عنوان دیا ہے، جس کی عبارت کچھ یوں ہے:

۱۔ پاکستان کے مسلمانوں کو انفرادی اور اجتماعی طور پر اپنی زندگی اسلام کے اساسی اصولوں اور بنیادی تصورات کے مطابق مرتب کرنے کے قابل بنانے کے لئے اور انہیں ایسی سہولتیں مہیا کرنے کے لئے اقدامات اٹھائے جائیں گے جن کی مدد سے وہ قرآنِ کریم اور سنت کی روشنی میں زندگی گزارنے کے اصل مفہوم سے روشناس ہوسکیں۔

۲۔ مسلمانانِ پاکستان کے حوالے سے ریاست مندرجہ ذیل امور کی کوشش کرے گی:

(الف) قرآنِ کریم اور اسلامیات کی تعلیم کو لازمی قرار دینا، عربی زبان سیکھنے کی حوصلہ افزائی کرنا، اس کے لئے سہولت بہم پہنچانا اور قرآنِ کریم کی صحیح اور من وعن طباعت اور اشاعت کا اہتمام کرنا۔

(ب) اتحاد و اتفاق اور اسلام کے اخلاقی معیار کی پابندی کو فروغ دینا۔

(ج) زکوٰۃ (عشر)، اوقاف اور مساجد کی باقاعدہ تنظیم کا اہتمام کرنا۔[۱]

جب ہم اس دفعہ کی عبارتوں پر غور کرتے ہیں تو ان میں سے اہم ترین عبارت یہ محسوس ہوتی ہے:

''پاکستان کے مسلمانوں کو انفرادی اور اجتماعی طور پر اپنی زندگی اسلام کے اساسی اصولوں اور بنیادی تصورات کے مطابق مرتب کرنے کے قابل بنانے کے لئے اور انہیں ایسی سہولتیں مہیا کرنے کے لئے اقدامات اٹھائے جائیں گے جن کی مدد سے وہ قرآنِ کریم اور سنت کی روشنی میں زندگی گزارنے کے اصل مفہوم سے روشناس ہوسکیں''۔

اس عبارت کی بناوٹ پر غور کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ:

(الف) یہ محض ایک وعدہ ہے

یہ محض ایک وعدہ ہے جس کو عملی جامہ پہنانے کے لئے...... بقول دفعہ ۳۱...... ریاستِ پاکستان کی جانب سے عنقریب ''اقدامات اٹھائے جائیں گے''؛ اور یہ بات تو معروف ہی ہے کہ جو شخص یوں کہے کہ میں شریعت کے مطابق فیصلے کرنا شروع کردوں گا، یا میں نماز قائم کروں گا، یا میں زکوٰۃ ادا کروں گا تو محض اس وعدے کی بنیاد پر اسے شریعت کے مطابق فیصلے کرنے والا، یا نماز قائم کرنے والا، یا زکوٰۃ ادا کرنے والا نہیں سمجھا جائے گا۔ بیرسٹر محمد رفیق بٹ دفعہ ۳۱ پر تبصرہ کرتے ہوئے کہتے ہیں:

''یہ بھی ان تصریحات اور وعدوں میں سے ہے جو دستور نے امت کے ساتھ طے کئے ہیں''۔[۲]

اسی طرح دفعہ ۲۹ سے ۴۰ تک کی تمام دفعات پر تبصرہ کرتے ہوئے بیرسٹر رفیق بٹ نے کہا:

''دفعہ ۲۹ سے دفعہ ۴۰ تک کے احکامات صرف رہنما اصولوں کی حیثیت رکھتے ہیں، پس نہ تو ان کی روشنی میں کوئی عدالت فیصلہ کرسکتی ہے، نہ ہی یہ کسی خاص عدالت کے دائرۂ اختیار میں داخل ہیں اور نہ ہی کوئی عدالت انہیں عملاً نافذ کرسکتی ہے۔ البتہ عدالتیں ان دفعات کو دستور کے جزو کے طور پر بعض دیگر اغراض کے لئے اپنے دائرۂ اختصاص میں داخل سمجھ سکتی ہیں۔ مثلاً دستور کی دیگر دفعات یا قانون سازوں کے بنائے ہوئے دیگر قوانین کی تشریح کے لئے ان دفعات سے مدد لی جاسکتی ہے''۔[۳]

یہی دفعہ کم و بیش اسی صورت میں ۱۹۵۶ء[۴] کے دستور میں بھی موجود تھی اور پچاس سال سے زائد عرصہ بیت جانے کے باوجود بھی یہ تمام وعدے وفا کے منتظر ہیں!

(ب) مبہم الفاظ

اسی طرح دفعہ ۳۱ کی عبارت میں ''احکاماتِ اسلام'' جیسی واضح اصطلاح چھوڑ کر ''اسلام کے اساسی اصولوں اور بنیادی تصورات'' کے الفاظ استعمال کئے گئے ہیں۔ حالانکہ کئی اساسی اصولوں اور بنیادی تصورات، مثلاً سچ، انصاف، ایفائے عہد، امانت، پاک دامنی، زیادتی سے پرہیز اور ظلم کے خلاف مزاحمت وغیرہ میں تو اسلام اور دیگر شریعتوں میں مشترک امور پائے جانا ممکن ہے۔ اصل فرق تو احکامات کے ذیل میں ہے، جہاں اسلام باقی شریعتوں سے یکسر مختلف ہے۔[۵]

تیسری فصل

دستور کی دفعہ ۳۸

سود کا خاتمہ

دفعہ ۳۸ کی عبارت کہتی ہے کہ:

''عوام کی معاشی اور معاشرتی فلاح و بہبود کی خاطر جس قدر جلد ممکن ہو سود کو ختم کیا جائے گا''۔[6]

یہی عبارت ۱۹۵۶ء کے دستور میں بھی موجود تھی۔[7]

اور جیسا کہ پہلے ذکر کیا جا چکا ہے، اس وعدے کے پچاس سال بعد بھی پاکستان میں سودی نظام زور و شور سے جاری ہے۔[8]

چوتھی فصل

وفاقی شرعی عدالت، دستور کا حصہ ہفتم، باب ۳ الف

دستور کے حصہ ہفتم کے باب ۳ الف (دفعہ ۲۰۳A تا ۲۰۳J) میں وفاقی شرعی عدالت سے متعلق کچھ احکامات درج کیئے گئے ہیں۔ان دفعات پر غور کرنے سے مندرجہ ذیل باتیں واضح ہوتی ہیں:

(الف) وفاقی شرعی عدالت کے دائرہ کار سے مستثنیٰ امور

دفعہ ۲۰۳B اس فصل میں ذکر کردہ تعریفات کی وضاحت کرتے ہوئے کہتی ہے:

''قانون میں ہر ایسا رواج یا عرف شامل ہے جو قانونی قوت کا حامل ہو......لیکن اس میں دستور، مسلمانوں کے شخصی امور سے متعلقہ قوانین، کسی بھی عدالت یا ٹریبونل کے ضابطۂ کار سے متعلقہ قانون، یا اس باب کے نافذ العمل ہونے کے دس سال بعد تک ہر قسم کے مالی قوانین، یا محصولات اور فیسوں کے عائد ہونے اور ان کی وصولی سے متعلقہ قوانین، یا بینکاری اور بیمہ کے عمل اور اس کے طریقۂ کار سے متعلقہ قوانین شامل نہیں ہوں گے''۔[9]

اس دفعہ کا جائزہ لینے سے یہ بات واضح ہو جاتی ہے کہ دستور بنانے میں کس قدر مکر وفریب اور شیطنت سے کام لیا گیا ہے، اور قوم کے ساتھ کیسا سنگین مذاق کیا گیا ہے:

(ا) اس فصل کے ابتدائی حصے میں ہی دستور سازوں نے نہایت سلیقے کے ساتھ وفاقی شرعی عدالت سے تمام اہم اختیارات سلب کر لیے ہیں۔نتیجتاً یہ عدالت ایک ایسا بے بس سا محکمہ بن کر رہ گیا ہے جو شریعت نافذ کرنے سے کلی طور پر عاجز ہے:

اولاً، اس دفعہ نے شرعی عدالت کو دستور کا جائزہ لینے سے روک دیا ہے، جس سے واضح ہوتا ہے کہ:

الف۔وفاقی شرعی عدالت ایک کمزور اور بے بس ادارہ ہے کیونکہ اسے یہی حق حاصل نہیں کہ وہ دستورِ پاکستان کا جائزہ لے......حالانکہ دستور تو ان کے نزدیک ''ابوالقوانین'' اور قانون سازی کا اصل مصدر ہے۔گویا وفاقی شرعی عدالت کو اتنا حق بھی نہیں کہ یہ قانون سازی کے مصدر کا جائزہ لے سکے۔جبکہ اس کے برعکس، پاکستان کی ہائی کورٹ اور سپریم کورٹ کو یہ حق حاصل ہے

کہ وہ دستوری دفعات کی تشریح وتفسیر کرے۔اس حوالے سے ہم گزشتہ صفحات پر دفعہ ۲ الف، دفعہ ۲۷۰ الف، اور دفعہ ۴۵ پر پاکستانی عدالتوں کی بحث نقل کر چکے ہیں۔

صرف یہی نہیں، بلکہ دستور کی دفعہ ۱۸۴ تو سپریم کورٹ کو مکمل اختیار دیتی ہے کہ وہ ان تمام معاملات میں فیصلہ صادر کرے جو دستور میں بیان کردہ ''بنیادی حقوق'' سے تعلق رکھتے ہیں۔[۱۰]

ب۔ یہ بات بھی ہم پہلے ذکر کر چکے ہیں کہ دستورِ پاکستان کئی ایسی دفعات پر مشتمل ہے جو شریعت سے واضح طور پر متصادم ہیں اور ان میں سے بعض کے خلافِ شرع ہونے کا اعتراف خود پاکستانی عدالتوں نے بھی کیا ہے......لیکن اس کے باوجود وفاقی شرعی عدالت کو ان دفعات کے حوالے سے ایک حرف بھی کہنے کا اختیار نہیں۔

ج۔ وفاقی شرعی عدالت کو تو یہ حق حاصل نہیں کہ وہ دستور کا جائزہ لے، لیکن دستورِ پاکستان کو وفاقی شرعی عدالت پر مکمل اختیار اور غلبہ حاصل ہے۔جیسا کہ ہم پہلے ذکر کر چکے ہیں، دستور کی دفعات ۲۳۸ اور ۲۳۹ ارکانِ پارلیمان کو بلا کسی قید وشرط یہ حق دیتی ہیں کہ وہ جیسے چاہیں دستور کے احکام میں ترمیم وتبدیلی اور تغییر وابطال کریں۔چنانچہ اگر دو تہائی ارکانِ پارلیمان ''وفاقی شرعی عدالت'' کو ''انسدادِ شریعت عدالت'' میں بدلنا چاہیں تو ان پر کوئی پابندی نہیں کیونکہ وہ قانون سازی کا مکمل حق رکھتے ہیں۔اس سادہ سی مثال سے یہ بات واضح ہو جاتی ہے کہ:

☆ پاکستان میں اقتدارِ اعلیٰ شریعت کو نہیں حاصل، بلکہ عوام اور عوامی ارادہ ہی حاکمِ اعلیٰ ہے اور پارلیمان کی غالب اکثریت کی رضا نظام چلانے والوں کے نزدیک عوامی رضامندی ہی کی دلیل ہے۔اس بات سے قطعِ نظر کہ کیا واقعتاً ارکانِ پارلیمان امت کے نمائندے ہیں یا نہیں...... یہ بات تو بہر حال ایک ثابت شدہ حقیقت ہے کہ پاکستان میں اقتدارِ اعلیٰ نہ تو شریعت کو حاصل ہے، نہ ہی قرآنِ کریم اور سنتِ مطہرہ کو۔اقتدارِ اعلیٰ کی مالک تو وہ دیگر قوتیں ہیں جو پاکستان کو اسلام سے دور لے جا رہی ہیں اور اپنی خواہشات کے مطابق اہلِ پاکستان کی قسمت سے کھیل رہی ہیں۔

☆ اسی مثال سے یہ بھی واضح ہوتا ہے کہ دستورِ پاکستان نے پاکستان میں اسلامی نظام قائم کرنے اور اسے شریعت اور کتاب وسنت کی حاکمیت پر مبنی ایک اسلامی ریاست بنانے کے لئے

جو وسائل و ذرائع تجویز کئے ہیں، وہ اتنے ناقص و بودے ہیں کہ ان سے کبھی بھی نفاذِ اسلام کا مقصد حاصل نہیں ہوسکتا۔

ثانیاً، اسی طرح وفاقی شرعی عدالت کو مسلمانوں کے شخصی امور سے متعلقہ قوانین کا جائزہ لینے سے بھی روک دیا گیا ہے۔ ''اسلامی'' جمہوریۂ پاکستان کے ''اسلامی'' دستور میں پائے جانے والے ان تضادات کا حل تو میری سمجھ سے بالاتر ہے؟ اگر ایک شرعی عدالت مسلمانوں کے شخصی امور سے متعلقہ قوانین کا جائزہ بھی نہیں لے گی، تو آخر کس کے شخصی امور سے متعلقہ قوانین کا جائزہ لے گی؟ مشرکینِ عرب کے......!؟ فرعونِ مصر کے......!؟ یا اسرائیلی یہودیوں کے......!؟ عربی زبان کی مشہور ضرب المثل ہے...... ''شر البلية ما يضحك''، بدترین مصیبت وہ ہوتی ہے جس پر ہنسی آئے۔

ثالثاً، اسی طرح وفاقی شرعی عدالت کو یہ حق بھی نہیں کہ وہ کسی عدالت اور ٹریبونل کے ضابطۂ کار سے متعلقہ قوانین کا جائزہ لے۔ یہ حق سلب کرنے سے شرعی احکام سے کھیلنے اور دینی تعلیمات سے انحراف کا دروازہ چوپٹ کھل جاتا ہے۔ عدالتی کارروائیوں سے متعلقہ قوانین تو انتہائی اہمیت کے حامل ہیں، مثلاً دعویٰ قبول یا رد کرنا، عدالت کے دائرۂ اختیار کا تعین، گواہی، وکالت، اثباتِ جرم کے دلائل، اثباتِ جرم کے وسائل و ذرائع، قانون و دستور کی تفسیر کا عدالتی حق، عدالتی فیصلوں کے ابطال اور ان میں ترمیم کا حق اور ایسے اہم ترین مسائل عدالت کے ضابطۂ کار سے متعلقہ قوانین کے تحت ہی آتے ہیں...... لیکن وفاقی شرعی عدالت کو یہ حق نہیں حاصل کہ وہ ان کا جائزہ لے یا انہیں زیرِ بحث لائے۔ اس سے یہ تلخ حقیقت کھل کر سامنے آتی ہے کہ پاکستان میں بیک وقت دو عدالتی نظام چل رہے ہیں، ایک عاجز، کمزور اور ناقص اختیارات کا حامل نظام جو وفاقی شرعی عدالت کی صورت میں ہمارے سامنے ہے اور دوسرا وہ سیکولر عدالتی نظام جو پاکستان کی باقی تمام عدالتوں میں جاری و ساری ہے۔

رابعاً، اسی طرح وفاقی شرعی عدالت کو دس سال کی مدت کے لئے ہر قسم کے مالی قوانین، یا محصولات کے عائد ہونے اور ان کی وصولی سے متعلقہ قوانین، یا بینکاری اور بیمہ کے عمل اور اس کے طریقۂ کار سے متعلقہ قوانین پر بحث کی اجازت بھی نہیں دی گئی۔ میں نہیں جانتا کہ آیا یہ پابندی اب بھی جاری ہے یا نہیں؟ لیکن یہ امر تو بہرحال ایک حقیقت ہے کہ سود اور سودی احکامات و قوانین آج بھی پاکستان میں رائج ہیں۔ نیز یہ بات بھی کسی صاحبِ بصیرت سے مخفی نہیں کہ وفاقی شرعی عدالت پر لگائی گئی اس پابندی کا اصل

فائدہ پاکستان کے حکمران طبقے کو پہنچتا ہے، جو اس ذریعے سے اپنی مالی بدعنوانیوں پر پردہ ڈالنے، اپنی حرص و طمع پوری کرنے اور اپنے داخلی و خارجی لین دین کو مکمل تحفظ دینے کا متمنی ہے۔

(ب) وفاقی شرعی عدالت کی تشکیل میں پائی جانے والی خامیاں

دفعہ ۲۰۳C میں وفاقی شرعی عدالت کی تشکیل پر بات کی گئی ہے[۱۱]۔ ذیل میں اس دفعہ کے مندرجات پر اٹھنے والے اعتراض درج کئے جا رہے ہیں:

(۱) اس دفعہ کی شق ۳ اور شق ۳ الف میں وفاقی شرعی عدالت کے چیف جسٹس اور ججوں کی اہلیت پر بات کی گئی ہے اور شرائطِ اہلیت میں ''عادل'' (پابندِ شرع) ہونے کا تذکرہ نہیں کیا گیا، حالانکہ اس شرط پر تو بلا اختلاف تمام علمائے امت کا اجماع ہے۔ پس ایک تو ججوں کے تعین میں ہی شریعت کی عائد کردہ شروط کی مخالفت کی گئی ہے، اور پھر اس بات کا اندازہ کرنا تو زیادہ مشکل نہیں کہ جب غیر عادل ججوں کو عدالت میں شامل کر کے انہیں قوانین کے شرعی یا غیر شرعی ہونے کا جائزہ لینے پر مامور کیا جائے گا تو اس سے کس قدر بگاڑ پیدا ہوگا۔ اس پر مستزاد یہ کہ اسی دفعہ کی شق ۲ نے شرعی عدالت کے ججوں اور چیف جسٹس کے تعین کا اختیار صدرِ مملکت کو تفویض کیا ہے۔ پس جب مشرف و زرداری جیسے لوگ شرعی عدالتوں کے جج چنیں گے (جبکہ جج بننے کے لئے 'عادل' ہونا بھی لازم نہ ہو) تو ہر شخص خود ہی سوچ سکتا ہے کہ ایسی ''شرعی عدالت'' کیسے ظلم و فساد کا باعث بنے گی؟

(۲) اسی دفعہ کی شق ۴ ب میں صدرِ مملکت کو یہ حق دیا گیا ہے کہ وہ ججوں کے تعین کی شروط مقرر کرے، یا جج کو کوئی دوسرا منصب سونپ دے، یا منصبِ قضاء کے ساتھ ساتھ کچھ دیگر ذمہ داریاں بھی اس کے حوالے کر دے۔ اس شق پر میں کوئی تبصرہ نہیں کروں گا۔ قارئین خود ہی فیصلہ کریں کہ جب صدرِ پاکستان کو...... مشرف و زرداری جیسے دین سے جاہل لوگوں کو...... شرعی عدالت سے متعلق اس قسم کے وسیع اختیارات دے دیئے جائیں تو کیا یہ عدالت محض ایک مذاق نہیں بن جائے گی؟ نیز اس شق پر تفصیلی تبصرے سے میں اس لئے بھی گریز کروں گا کہ اس کتاب میں میرے پیشِ نظر محض دستور میں موجود بنیادی شرعی مخالفتوں پر توجہ دلانا ہے، وگرنہ اگر میں ان حیلہ بازیوں کی تفصیل میں جاؤں تو یہ کتاب انتہائی ضخیم ہو جائے۔

(۳) اسی دفعہ کی شق ۷ وفاقی شرعی عدالت کے چیف جسٹس اور ججوں سے اس بات کا مطالبہ کرتی

ہے کہ وہ اپنے منصب پر فائز ہونے سے پہلے صدرِ مملکت یا اس کے نمائندے کے سامنے حلف اٹھائیں[۱۲]۔ اس حلف میں نہ تو شریعت کا ذکر ہے، نہ ہی قرآن وسنت کا، بلکہ جج اور چیف جسٹس صرف اس بات پر حلف اٹھاتے ہیں کہ وہ اپنی ذمہ داریوں کو پاکستانی قانون کے مطابق ادا کریں گے۔ اس حلف میں مندرجہ ذیل نمایاں خرابیاں پائی جاتی ہیں:

اولاً، کوئی مسلمان کسی ایسے قانون کی پابندی کا حلف کیسے اٹھا سکتا ہے جو شرعی مخالفتوں سے بھرا پڑا ہے؟ کیا شرعی عدالت اسی لیے نہیں بنائی گئی کہ قانون کو شرعی مخالفتوں سے پاک کیا جائے؟ پس یہ حلف اٹھانا شرعاً حرام ہے۔

ثانیاً، یہ حلف خود بھی ایک تضاد کا مظہر ہے۔ کیا یہ کوئی معقول بات ہے کہ ایک جج سے قانون کی تصحیح ودرستی کا مطالبہ بھی کیا جائے اور اسے اسی قانون کا پابند بھی بنا دیا جائے؟

(ج) وفاقی شرعی عدالت اور دیگر عدالتوں کے دائرہ کار مختلف ہونے کا نتیجہ

دفعہ ۲۰۳G کے مطابق سپریم کورٹ سمیت کوئی بھی عدالت یا ٹریبونل یہ حق نہیں رکھتی کہ وہ کسی ایسے معاملے کی نسبت کارروائی پر غور کرے یا اپنے اختیارات یا اختیارِ سماعت استعمال کرے جو وفاقی شرعی عدالت کے دائرۂ اختیار یا اختیارِ سماعت میں داخل ہو۔

پاکستانی عدالتوں نے اس دفعہ سے ناجائز فائدہ اٹھاتے ہوئے بینکوں کے قوانین پر کیے گئے اعتراضات کو رد کیا۔ مثلاً منی چینجر کمپنی ایکٹ کی شق ''S-۱۵'' ......جس میں ''مارک اَپ'' کے متعلق بات کی گئی ہے...... کے خلاف اپیل کو رد کرتے ہوئے عدالتوں نے جو دلائل پیش کیے ان میں درج ذیل امور بھی شامل تھے:

(۱) مدعی کے لئے یہ مقدمہ وفاقی شرعی عدالت میں بھی لے جانا ممکن ہے۔[۱۳]

(۲) دستور کی دفعہ ۲۰۳G کے مطابق شرعی عدالت کے علاوہ کسی بھی عدالت کو یہ حق نہیں حاصل کہ وہ پاکستانی قوانین اور شرعی احکامات کے مابین تعارض کا جائزہ لے۔[۱۴]

......حالانکہ جن عدالتوں نے مذکورہ دلیل کی بنیاد پر ان قوانین کا جائزہ لینے سے انکار کیا ان کا فرض بنتا تھا کہ بذاتِ خود اس مقدمے کو شرعی عدالت کی طرف بھیجیں اور سودی معاملات کی اجازت دینے اور شرعی احکامات سے بھاگنے کے بجائے اپنے فیصلے کو شرعی عدالت کا فیصلہ آنے تک مؤخر کریں، کیونکہ یہ

مقدمہ محض مدعی کے ذاتی مسئلے تک محدود نہیں تھا، بلکہ اس میں کرنسیوں کے تبادلے کی شرعی حیثیت سے متعلق ایک عمومی اور اصولی سوال اٹھایا گیا تھا۔

یہاں میں آپ کی توجہ سابقہ صفحات میں مذکور کراچی ہائی کورٹ کے اس فیصلے کی طرف بھی مبذول کرانا چاہوں گا جس میں جج نے یہ کہا تھا کہ عدالتوں کو یہ اختیار حاصل ہے کہ وہ کسی قانون کے شریعت سے موافق یا متصادم ہونے کا جائزہ لیں [۱۵]۔ اسی طرح ۱۴ جنوری ۱۹۹۲ کو صادر کردہ لاہور ہائی کورٹ کے تمام ججوں پر مشتمل پینل کا وہ فیصلہ بھی ذہن نشین رہے جہاں......صدرِ مملکت کی طرف سے سزائے موت کے احکامات میں تبدیلی کے خلاف مقدمے کا فیصلہ سناتے ہوئے...... یہ کہا گیا تھا کہ شرعی عدالت کے ساتھ ساتھ تمام ہائی کورٹ بھی اپنے اپنے دائرۂ اختیار میں پاکستانی قوانین وشریعت کے تعارض کا جائزہ لے سکتے ہیں۔

(۳) یہ دلیل بھی اختیار کی گئی کہ ماضی میں ہونے والے منی چینجنگ کے ان معاملات کا اب جائزہ لینا ممکن نہیں، کیونکہ عدالتی فیصلہ تو مستقبل کے لئے مؤثر ہوتا ہے۔ پس جو معاملات اس وقت وقوع پذیر ہوئے ہوں جب پاکستانی قانون میں انہیں جرم نہیں قرار دیا گیا تھا، تو ان پر تو عدالتی فیصلے اثر انداز نہیں ہوتے۔[۱۶]

ہم دوسرے باب کی دوسری فصل میں بھی بیان کر چکے ہیں کہ دستورِ پاکستان کا یہ اصول خلافِ شریعت ہے اور اسی اصول کا شاطرانہ استعمال کرتے ہوئے پاکستان میں آج تک سودی معاملات کو برقرار رکھا گیا ہے۔

زیرِ بحث مقدمے میں بھی دو فریق جج کے سامنے حاضر ہیں جن میں سے ایک اپنے شرعی حق کا مطالبہ کر رہا ہے۔ لیکن جج شرعی مخالفت کا ارتکاب کرنے والے فریق کے حق میں فیصلہ سناتا ہے اور یہ دلیل دیتا ہے کہ جب تک کسی شرعی مخالفت کو قانوناً جرم نہ قرار دے دیا جائے اس وقت تک اس کا ارتکاب جائز اور حلال ہوتا ہے۔ اب خود ہی بتائیے کہ کیا اس جج کو ''جہالت'' کا عذر دیا جا سکتا ہے؟ کیا اسے نہیں پتہ کہ قرآن نے چودہ سو سال قبل ہی سود کو حرام قرار دے دیا تھا؟ کیا ایک جاہلی اصول کی تطبیق کے ذریعے شرعی مخالفتوں کو جواز بخشنے والے اس جج کو محض اس بنیاد پر معافی مل سکتی ہے کہ یہ کہتا ہے کہ پاکستان میں اقتدارِ اعلیٰ شریعت کو حاصل ہے؟؟

الغرض، یہ بات بالکل واضح ہے کہ جہاں ایک طرف پاکستان کی تمام عدالتیں اس بات کا اقرار کرتی ہیں کہ سودی لین دین اصولاً خلافِ شرع ہے، وہیں انہی سب عدالتوں نے مختلف حیلے بہانوں سے سودی لین دین کو عملاً جواز بخشا ہے اور سود کو باطل قرار دینے والے قوانین بھی معطل کر رکھے ہیں۔ [۱۷]

(د) دیگر عدالتوں کی نسبت وفاقی شرعی عدالت کی کمتر حیثیت

دفعہ ۲۰۳H کہتی ہے کہ کسی عدالت میں چلنے والی قانونی کارروائی کو اس بنیاد پر مؤخر یا معطل نہیں کیا جا سکتا کہ وہاں زیرِ بحث مقدمے کا تعلق کسی ایسے قانون سے ہے جس کی شرعی حیثیت کے حوالے سے شرعی عدالت میں بھی اعتراض اٹھایا گیا ہے۔ چنانچہ نہ صرف اس مقدمے کی سماعت قانون کے مطابق جاری رہے گی بلکہ رائج الوقت قانون ہی کی روشنی میں مقدمے کا فیصلہ بھی سنا دیا جائے گا۔

اسی طرح نہ تو شرعی عدالت اور نہ ہی سپریم کورٹ یہ اختیار رکھتی ہے کہ شرعی عدالت کے دائرہ کار میں شامل امور سے متعلق کوئی مقدمات اگر دیگر عدالتوں میں جاری ہوں تو ان کے حوالے سے کوئی ہدایات یا عبوری حکم صادر کر سکے۔ [۱۸]

یعنی خود پاکستانی دستور اس بات کا اقرار کر رہا ہے کہ پاکستان میں دو قسم کے عدالتی نظام قائم ہیں۔ ایک تو وہ اصلی اور غالب نظام ہے جو سیکولر ہے اور شرعی عدالت جس میں مداخلت کا حق نہیں رکھتی۔ دوسرا ایک تابع، کمزور اور کمتر نظام ہے جو شرعی عدالت کی صورت میں جاری ہے۔ گو کہ بظاہر یہ شرعی عدالت اس لئے تشکیل دی گئی تھی کہ پاکستانی قوانین کو شریعت کے موافق بنایا جائے، لیکن اس کی تشکیل کو پینتیس سال گزر جانے کے باوجود بھی پاکستان میں غیر شرعی قوانین مسلسل بڑھتے اور پھیلتے چلے جا رہے ہیں۔

ایک جانب تو شرعی عدالت اور سپریم کورٹ کو دیگر عدالتوں میں چلنے والے ایسے مقدمات میں مداخلت سے روکا گیا ہے جہاں شرعی عدالت کے دائرۂ کار میں شامل امور زیرِ بحث ہوں، جبکہ دوسری جانب دستور کی دفعہ ۱۸۶الف سپریم کورٹ کو یہ اختیار دیتی ہے کہ اگر وہ مصلحت سمجھے تو انصاف کے تقاضے پورا کرنے کی خاطر کسی بھی ہائی کورٹ میں جاری مقدمے کو کسی دوسرے ہائی کورٹ میں منتقل کر سکتی ہے۔ [۱۹]

یعنی اسلامی جمہوریۂ پاکستان کے دستور کے مطابق سپریم کورٹ اگر مصلحت سمجھے تو ایک ہائی کورٹ میں جاری مقدمے کو دوسری ہائی کورٹ میں تو منتقل کر سکتی ہے، لیکن اسے اس بنیاد پر کسی مقدمے کی

کارروائی رکوانے کا اختیار نہیں کہ مقدمہ ایک خلافِ شرع قانون یا شرعاً متنازعہ قانون کے مطابق چل رہا ہے۔اس سے بھی واضح ہوتا ہے کہ پاکستان کے عدالتی نظام میں وفاقی شرعی عدالت کو ایک کمتر وزیردست حیثیت حاصل ہے۔

ایک شبہہ اور اس کا جواب

اس اعتراض کے جواب میں کوئی شخص یہ کہہ سکتا ہے کہ اگر قوانین کے شرعاً متنازعہ ہونے کی بنیاد پر عدالتی کارروائیاں روکی جائیں تو پھر عدالتی نظام ہی معطل ہو کر رہ جائے گا اور لوگ اس چیز کو عدالتی کارروائیوں میں خلل ڈالنے کا ذریعہ بنالیں گے۔

اس شبہہ کے جواب میں ہم یہ کہتے ہیں کہ:

اولاً: یہ اعتراض اس وقت کیوں نہیں کیا گیا جب پاکستانی دستور نے سپریم کورٹ کو یہ اختیار دیا کہ وہ مصلحتِ انصاف کے پیش نظر کسی ہائی کورٹ میں جاری مقدمے کو دوسری ہائی کورٹ میں بھیج سکتی ہے؟

ثانیاً: ریاست پاکستان کا اصل مسئلہ یہی ہے۔شرعی عدالت کو اپنے ناقص وعاجز اختیارات کے ساتھ وجود میں آئے پینتیس سال گذر چکے ہیں۔اگر پاکستانی حکام واقعتاً اسلامی قوانین کے نفاذ میں مخلص ہوتے تو اتنے عرصے میں وفاقی شرعی عدالت کی سفارشات کی بنیاد پر قوانینِ پاکستان پر نظرِ ثانی اور ان کی تصحیح ہو چکی ہوتی۔لیکن حکمران طبقہ تو یہی چاہتا ہے کہ وفاقی شرعی عدالت کو ایک غیر فعال نمائشی ادارہ بنا کر رکھیں جس کا واحد مقصد یہ ہو کہ اس عدالت کے وجود کو پاکستانی نظام کے اسلامی وشرعی ہونے کی دلیل کے طور پہ پیش کیا جاتا رہے۔

(ہ) بہت سے احکامات کو شرعی عدالت سے بالاتر قانونی تحفظ حاصل ہے

گذشتہ صفحات میں ہم ان دستوری دفعات پر تفصیلاً بحث کر چکے ہیں جو بہت سے تصرفات، اوامر اور احکامات کو قانونی تحفظ فراہم کرتی ہیں [۲۰]۔ نیز صدرِ پاکستان کو سزائیں معاف کرنے کا جو اختیار حاصل ہے [۲۱] اس پر بحث کے دوران بھی ہمارے سامنے ایسے بہت سے تصرفات، احکامات، قوانین، صدارتی فرامین اور قواعد وضوابط کی مثالیں گزری ہیں جنہیں کسی بھی شرعی وغیر شرعی عدالت میں چیلنج نہیں کیا جا سکتا۔یہ ساری بحث قدرے تفصیل کے ساتھ پہلے گزر چکی ہے لہٰذا یہاں محض اس کی سمت اشارہ کرنے پر اکتفا کیا جا رہا ہے۔

خلاصۂ کلام

اسی طرح وفاقی شرعی عدالت سے متعلقہ دفعات......جن پر ہم گزشتہ سطور میں بحث کر چکے ہیں...... کا جائزہ لینے سے بھی یہ بات واضح ہوتی ہے کہ اس عدالت کے اختیارات انتہائی محدود ہیں، یہ دیگر ملکی عدالتوں کی نسبت کمتر اور زیر دست ہے اور یہ پاکستانی نظام کو اسلام کے مطابق ڈھالنے کی قوت سے یکسر محروم ہے۔ اسی طرح اس کے ججوں کے لئے بھی اہلیتِ قضاء کی شرعی شروط مقرر نہیں کی گئیں، نہ ہی اس کا جج بننے کا حلف شریعت کے مطابق ہے۔ اس پر مستزاد یہ کہ دستور کے مطابق صدرِ پاکستان شرعی عدالتوں کے ججوں کے ساتھ ہر قسم کے کھیل تماشے کرنے کا مکمل اختیار رکھتا ہے۔

ایک اعتراض اور اس کا جواب

ممکن ہے کوئی شخص یہ ساری بحث پڑھ کر کہے کہ آپ نے وفاقی شرعی عدالت کے حوالے سے جو کچھ کہا......کہ یہ ادارہ پاکستانی نظام کو اسلام کے سانچے میں ڈھالنے سے عاجز و قاصر ہے اور ملک کے عدالتی نظام میں بھی اسے زیر دست حیثیت حاصل ہے...... یہ سب باتیں ٹھیک ہیں، لیکن یہ تو درست سمت کی جانب پہلا قدم ہے، پھر آپ کیوں اس پر اعتراض کرتے ہیں؟ اس شخص کو ہم جواباً کہیں گے کہ ہمیں اس بات پر کوئی اعتراض نہیں کہ یہ ادارہ بعض قوانین کے خلافِ شرع ہونے کی نشاندہی کر دے۔ ہمیں تو اعتراض اس بات پر ہے کہ:

(۱) وفاقی شرعی عدالت کے وجود کو پاکستانی نظام کے اسلامی ہونے کی دلیل کے طور پہ پیش کیا جائے۔

(۲) اسے حجت بنا کر کہا جائے کہ پاکستان میں اسلامی انقلاب لانے کی تمام کوششیں نظام کے اندر رہ کر اور دستور و قانون کی پابندی کرتے ہوئے ہی کی جانی چاہیے ہیں۔

(۳) اسے ان لوگوں کے خلاف دلیل بنایا جائے جو اسلام سے باغی اس نظام کے خلاف زبان و عمل سے برسرِ پیکار ہیں۔

اس ساری بحث کو سمیٹتے ہوئے میں ایک مثال کے ذریعے اپنی بات سمجھانا چاہوں گا۔ پاکستان کی مثال ایک ایسے مریض کی سی ہے جسے سرطان جیسا موذی مرض لاحق ہو اور وہ مریض سخت تکلیف میں مبتلا ہو۔ ایسے میں ایک شخص اسے ڈسپرین کی گولی دے اور جب کوئی دوسرا شخص اس علاج پر اعتراض کرے تو

پہلا شخص کہے کہ تم مجھ پر تنقید کیوں کر رہے ہو جبکہ میں مریض کی تکلیف کم کرنے ہی کے لئے کوشاں ہوں؟ تو دوسرا شخص اسے کہتا ہو کہ مجھے تمہارے ڈسپرین دینے پر اعتراض نہیں، بلکہ اعتراض اس بات پر ہے کہ تمہارے خیال میں ڈسپرین دینے سے اس کی تکلیف دور ہو جائے گی یا سرطان جیسا مہلک مرض ٹھیک ہو جائے گا؛ اور یہ ناقص فہم رکھتے ہوئے الٹا تم مجھے ہی برا بھلا کہہ رہے ہو حالانکہ میرا مطالبہ تو صرف اتنا ہے کہ اس موذی مرض کو جڑوں سے اکھاڑ پھینکے بغیر مسئلہ حل نہیں ہو گا اور یہ ٹھوس علاج بہر حال محنت اور جدوجہد مانگے گا۔ بس یہی فرق ہے ہمارے اور ان لوگوں کے موقف میں جو جزوی سی تبدیلیوں کے ذریعے پاکستانی نظام کا علاج کرنا چاہتے ہیں، جبکہ مہلک امراض اس نظام کی جڑوں تک اترے ہوئے ہیں۔

پانچویں فصل

دستور کا حصہ نہم، اسلامی احکام، دفعہ ۲۲۷ تا ۲۳۱

دستور کے حصہ نہم میں ''اسلامی احکام'' کے عنوان تلے کئی دفعات درج کی گئی ہیں جن پر ہم اس فصل میں تبصرہ کرنا چاہیں گے:

الف۔ دفعہ ۲۲۷

یہ اس حصے میں شامل اہم ترین دفعہ ہے جس میں درج ہے کہ:

''تمام موجودہ قوانین کو قرآن وسنت میں بیان کردہ اسلامی احکامات کے موافق بنایا جائے گا......، اور کوئی ایسا قانون نہیں بنایا جائے گا جو ان احکامات کے خلاف ہو''۔[۲۲]

اس دفعہ پر تبصرہ کرتے ہوئے میں کہنا چاہوں گا کہ:

(۱) اس عبارت میں مستقبل کا صیغہ استعمال کیا گیا ہے، یعنی یہ ایک وعدہ ہے...... ایک ایسا وعدہ جو اب تک وفا نہیں ہو سکا۔

۱۹۵۶ء کا دستور، جسے دوسری دستور ساز کمیٹی نے منظور کیا تھا، اس میں بھی ایسی ایک دفعہ وضع کی گئی تھی جو قرآن وسنت میں بیان کردہ اسلامی احکامات سے متصادم ہر قسم کی قانون سازی سے روکتی تھی[۲۳]۔ پھر اسی دفعہ کے تقاضے پورے کرنے کی غرض سے ایک کمیشن تشکیل دیا گیا تھا جس کے ذمے بعینہٖ اسی ذمہ داری کی انجام دہی تھی جو حالیہ دستور کی دفعہ ۲۲۷ بیان کرتی ہے۔ یعنی یہ کہ موجودہ قوانین کو شریعت کے موافق بنانا، اس کے لیے مراحل طے کرنا، پانچ سال کے اندر اندر دستور ساز کمیٹی کے سامنے اپنی سفارشات پیش کرنا، اور پھر کمیٹی کا...... ان کے مطالعے و جائزے کے بعد...... ان کے مطابق قانون سازی کرنا[۲۴]۔ لیکن سالہا سال بیت جانے کے باوجود بھی قوانین کو شریعت کے مطابق ڈھالنے اور خلافِ شرع قوانین کے خاتمے کا خواب شرمندۂ تعبیر نہ ہو سکا۔

اسی طرح ۱۹۴۹ء میں منظور ہونے والی قراردادِ مقاصد، جو آئندہ تمام دساتیر کا دیباچہ قرار پائی، میں مذکور وعدے کا تذکرہ بھی ہم پہلے کر چکے ہیں۔ قراردادِ مقاصد میں درج ہے کہ:

''مسلمانوں کو انفرادی، ذاتی اور اجتماعی طور پر اس قابل بنایا جائے گا کہ وہ اپنی زندگی اسلامی تعلیمات، تشریحات اور ضروریات کے حسبِ منشا، جس طرح قرآنِ کریم اور سنتِ محمدی صلی اللہ علیہ وسلم میں ان کا تعین کیا گیا ہے، ترتیب دے سکیں''۔

اسی طرح دفعہ ۳۱ ''اسلامی طرز زندگی'' میں کیا گیا وعدہ بھی گزر چکا جس میں درج ہے کہ:

''پاکستان کے مسلمانوں کو انفرادی اور اجتماعی طور پر اپنی زندگی اسلام کے اساسی اصولوں اور بنیادی تصورات کے مطابق مرتب کرنے کے قابل بنانے کے لئے اور انہیں ایسی سہولتیں مہیا کرنے کے لئے اقدامات اٹھائے جائیں گے جن کی مدد سے وہ قرآنِ کریم اور سنت کی روشنی میں زندگی گزارنے کے اصل مفہوم سے روشناس ہو سکیں''۔

یہ دفعہ تقریباً اسی صورت میں ۱۹۵۶ء کے دستور میں بھی شامل تھی [۲۵]۔

اسی طرح دستور کی دفعہ ۳۸ میں یہ وعدہ کیا گیا کہ:

''عوام کی معاشی اور معاشرتی فلاح و بہبود کی خاطر جس قدر جلد ممکن ہو سود کو ختم کیا جائے گا''۔

یاد رہے کہ یہی عبارت ۱۹۵۶ء کے دستور میں بھی شامل تھی [۲۶]۔

تو گویا کہ ساٹھ سال سے ہمارے ساتھ بار بار وعدے کئے جا رہے ہیں جن میں سے ایک بھی اب تک پورا نہیں ہو سکا۔ بلکہ اگر زیادہ وضاحت سے کہنے کی اجازت ہو تو ساٹھ سال سے پاکستان کے مسلمانوں کو دھوکے میں رکھا گیا ہے اور ان کے جذبات اور دینی حمیت سے مسلسل کھیلا جا رہا ہے۔ نیز یہ بھی ایک معلوم شدہ حقیقت ہے کہ جو شخص یہ کہے میں ایک ماہ بعد یا قریب ترین وقت میں اسلام قبول کرلوں گا، یا یوں کہے کہ ایک ہفتے بعد یا جونہی مجھے مناسب وقت ملا میں نماز پڑھنے لگوں گا...... تو ایسے شخص کو مسلمان یا نمازی نہیں سمجھا جائے گا۔ بالکل اسی طرح جو شخص یہ کہے کہ عنقریب میں شریعت کی حاکمیت قائم کردوں گا، اسے اس وقت تک شریعت قائم کرنے والا اور اس کا تابع فرمان نہیں مانا جائے گا جب تک وہ عملاً شریعت کی حاکمیت قائم نہ کرلے۔ حق تعالیٰ کا فرمان ہے:

﴿فَلَا وَرَبِّكَ لَا يُؤْمِنُونَ حَتّٰى يُحَكِّمُوكَ فِيمَا شَجَرَ بَيْنَهُمْ ثُمَّ لَا يَجِدُوا فِي أَنْفُسِهِمْ حَرَجًا مِّمَّا قَضَيْتَ وَيُسَلِّمُوا تَسْلِيمًا﴾ (النسآء: ۶۵)

''تمہارے پروردگار کی قسم! یہ لوگ جب تک اپنے تنازعات میں تمہیں منصف نہ بنائیں اور جو

فیصلہ تم کر دو اس سے اپنے دل میں تنگی محسوس نہ کریں بلکہ اسے خوشی سے مان لیں، تب تک یہ مؤمن نہیں ہو سکتے''۔

(۲) اسی طرح میں سمجھتا ہوں کہ دستور لکھنے والوں نے انتہائی بدنیتی کا مظاہرہ کرتے ہوئے دفعہ ۲۲۷ میں صرف ''قوانین'' کا ذکر کیا ہے اور ''دستور'' کے حوالے سے ایک حرف بھی نہیں لکھا، حالانکہ خود دستور بھی اسلام مخالف نصوص پر مشتمل ہے، جیسا کہ پاکستانی عدالتیں بھی بعض دستوری دفعات کے حوالے سے اس امر کا اقرار کر چکی ہیں۔ گویا دفعہ ۲۲۷ دستور میں پائے جانے والے خلافِ شرع امور پر گرفت کرنے کا اختیار نہیں رکھتی، حالانکہ پاکستانی قوانین میں پائے جانے والے شرعی انحرافات کی جڑ تو خود دستور ہے۔ لہٰذا یہ دفعہ بھی دستورِ پاکستان میں موجود باقی جھوٹے وعدوں کی طرح کا ایک وعدہ ہے، خود دستور ہی جس کی گرفت سے مستثنیٰ ہے۔ پھر یہ کیسے ممکن ہے کہ اس دستوری دفعہ کے ذریعے پاکستانی نظام اپنی موجود ہیئت سے بدل کر حاکمیتِ شریعت پر قائم ایک خالص اسلامی نظام بن جائے؟

ب۔ اسلامی نظریاتی کونسل [۲۷]

اس فصل کی باقی دفعات (۲۲۸ تا ۲۳۱) میں اسلامی نظریاتی کونسل کی تشکیل اور ذمہ داریوں پر بحث کی گئی ہے۔ اس کونسل کے ارکان کا تعین صدرِ مملکت کرتا ہے۔ دفعہ ۲۳۰ اس کونسل کی ذمہ داریوں پر بحث کرتی ہے جس کا خلاصہ درج ذیل ہے: [۲۸]

☆ یہ کونسل وفاقی اور صوبائی اسمبلیوں کے سامنے سفارشات پیش کرے گی جن میں ایسے ذرائع اور وسائل تجویز کئے جائیں گے جو پاکستان کے مسلمانوں کو انفرادی اور اجتماعی طور پر اپنی زندگی اسلام کے اساسی اصولوں اور بنیادی تصورات کے مطابق مرتب کرنے کے قابل بنا سکیں۔

یہ وہی وعدہ ہے جو دفعہ ۳۱ میں درج ہے، اور اسی سے مشابہ الفاظ میں یہ وعدہ ۱۹۵۶ء کے دستور میں بھی شامل تھا۔ [۲۹]

☆ کونسل کی ذمہ داری ہے کہ جب کسی مجوزہ قانون کے اسلامی تعلیمات کے موافق یا مخالف ہونے کا سوال اس کے سامنے پیش کیا جائے تو کونسل وفاقی اسمبلی، صوبائی اسمبلیوں، صدرِ مملکت یا گورنر کو اس بارے میں مشورہ دے۔

☆ کونسل کی ذمہ داری ہے کہ تمام رائج الوقت قوانین کا جائزہ لے کر ایسے وسائل تجویز کرے جن کے ذریعے انہیں شریعت کے موافق بنایا جا سکے، اور وہ مراحل بھی مقرر کرے جن میں ان تجاویز پر عمل درآمد ممکن ہو سکے۔

☆ ایسی اسلامی تعلیمات جنہیں قوانین کی صورت میں نافذ کیا جا سکتا ہے، انہیں موزوں شکل میں پارلیمان اور صوبائی اسمبلیوں کی رہنمائی کے لئے پیش کرے۔

☆ کونسل اپنے آغاز کے بعد سات سال کے اندر اندر اپنی حتمی رپورٹ پیش کرنے کی پابند ہوگی، البتہ ساتھ ساتھ عبوری رپورٹ بھی سالانہ بنیادوں پر پیش کرے گی۔ پھر اس حتمی رپورٹ کے پیش کئے جانے کے بعد چھ ماہ کے اندر وفاقی اور صوبائی اسمبلیوں میں اس پر بحث کی جائے گی اور پھر دو سال کی مدت میں اس رپورٹ کے مجوزہ قوانین کو منظور کیا جائے گا۔

''آئندہ'' اور ''عنقریب'' کے اس حساب کے مطابق بھی ضروری تھا کہ ۱۹۸۱ء تک پاکستان میں اسلامی شریعت رائج ہو جاتی!

یہاں ہم اپنے معزز اور اصحابِ فہم قارئین کے سامنے یہ بات بھی واضح کرتے چلیں کہ جو مسودۂ دستور ۱۹۴۹ء میں پہلی دستور ساز کمیٹی نے تیار کیا تھا اس میں بھی یہ بات درج تھی کہ علماء کی ایک کمیٹی تشکیل دی جائے گی تا کہ اسلامی نقطۂ نظر سے قانون سازی کی جا سکے۔ ۱۹۵۶ء میں دوسری دستور ساز کمیٹی سے منظور شدہ دستور میں بھی ایک ایسی دفعہ رکھی گئی تھی جو قرآن وسنت سے متصادم قانون سازی سے روکتی تھی [۳۰] اور پھر اس مقصد کے حصول کے لئے بھی ایک کمیشن تشکیل دیا گیا تھا۔ ۱۹۶۲ء کے دستور میں علماء کی کمیٹی اور اس کمیشن کو 'اسلامی مشاورتی کونسل' اور ''ادارۂ تحقیقاتِ اسلامی'' سے تبدیل کر دیا گیا۔ اور پھر حالیہ دستور میں اس کی جگہ ''اسلامی نظریاتی کونسل'' نے لے لی۔ [۳۱]

نیز یہ امر بھی ذہن نشین رہے کہ ۱۹۵۶ء میں منظور شدہ دستور نے جو کمیشن تشکیل دیا تھا اس کی ذمہ داری بھی وہی تھی جو حالیہ دستور کی دفعہ ۲۲۷ میں مذکور ہے، یعنی یہ کہ یہ کمیشن رائج الوقت قوانین کو شریعت کے مطابق ڈھالے گا، اس عمل کے مختلف مراحل طے کرے گا، پانچ سال کی مدت میں اسمبلی کو رپورٹ پیش کرے گا اور پھر اس کا جائزہ لینے کے بعد اسمبلی اس کے مطابق قوانین صادر کرے گی۔ [۳۲]

گویا ایک جانب تو ''اسلامی نظریاتی کونسل'' نامی ایک ایسا بے بس سا ادارہ ہے جو 'سفارش' و

'درخواست' کرنے سے زیادہ کچھ اختیار نہیں رکھتا؛ اور دوسری جانب پاکستان پر مسلط وہ مفسد سیاسی طبقہ ہے جو قیامِ پاکستان کے بعد سے آج تک جھوٹے وعدوں کی ایک اکتا دینے والی تکرار کرتا چلا آرہا ہے اور اس سرزمین کے مسلمانوں کے دینی جذبات سے کھیل کر آج تک کرسی پر قابض ہے۔ رہی بات نفاذِ شریعت کی، تو اس کے لیے پہلے ایک جھوٹے وعدے کا راگ الاپا جاتا ہے اور جب عوام اسے سن سن کر تھک جاتے ہیں تو انہیں کسی دوسرے خوشنما سراب کے پیچھے دوڑایا جاتا ہے...... اور یہی سلسلۂ مکر و فریب آج تک جاری ہے۔

یہاں مجھے ایک مشہور لطیفہ یاد آرہا ہے کہ ضیاء الحق کے دور میں مولانا بجلی گھر نے پشاور میں کہا تھا کہ:

''اگر شریعت کراچی سے رکشے میں بیٹھ کر آتی تو بھی کافی مدت پہلے ہم تک پہنچ چکی ہوتی''۔

حواشی

۱۔ اصل عبارت یہ ہے:

Islamic way of life
31. (1) Steps shall be taken to enable the Muslims of Pakistan, individually and collectively, to order their lives in accordance with the fundamental principles and basic concepts of Islam and to provide facilities whereby they may be enabled to understand the meaning of life according to the Holy Quran and Sunnah.
(2) The State shall endeavour, as respects the Muslims of Pakistan,-
(a) to make the teaching of the Holy Quran and Islamiat compulsory, to encourage and facilitate the learning of Arabic language and to secure correct and exact printing and publishing of the Holy Quran;
(b) to promote unity and the observance of the Islamic moral standards; and
(c) to secure the proper organisation of zakat [ushr,] auqaf and mosques. [PART II Fundamental Rights and Principles of Policy, CHAPTER 2. - PRINCIPLES OF POLICY, Article 31].

۲۔
THE COSTITUTION OF PAKISTAN 1973, With Commentary, comments on CHAPTER 2 PRINCIPLES OF POLICY, Articles 29- 40 p: 109.

۳۔
THE COSTITUTION OF PAKISTAN 1973, With Commentary, comments on CHAPTER 2 PRINCIPLES OF POLICY P: 108.

۴۔
THE COSTITUTION OF PAKISTAN 1973, With Commentary, Preliminary, 1965 constitution p: 30.

۵۔ مصری دستور کی دفعہ۲ میں بھی اس سے ملتی جلتی عبارت ہے جس میں کہا گیا ہے کہ ”شریعت اسلامی کے مبادی ہی قانون سازی کا اساسی مصدر ہونگے“ حالانکہ یوں کہنا چاہئے تھا کہ ”شریعت اسلامی کے احکام ہی قانون سازی کا واحد مصدر ہوں گے“۔

۶۔ اصل عبارت یہ ہے:

Promotion of social and economic well being of the people
38. The State shall-
…………………….
(f) eliminate riba as early as possible. [PART II, CHAPTER 2. - PRINCIPLES OF POLICY, Article 38].

۷۔
THE COSTITUTION OF PAKISTAN 1973, With Commentary, Preliminary, 1965 constitution p: 31.

۸۔ باب دوم: فصل دوم، دوسرا تناقض، دفعہ ۲۰۷ الف

۹۔ اصل عبارت یوں ہے:

203B. Definitions
203B. In this Chapter, unless there is anything repugnant in the subject or context,-
……………………..
(c) "law" includes any custom or usage having the force of law but does not include the Constitution, Muslim personal law, any law relating to the procedure of any court or

tribunal or, until the expiration of ten years from the commencement of this Chapter, any fiscal law or any law relating to the levy and collection of taxes and fees or banking or insurance practice and procedure [PART VII The Judicature, CHAPTER 3A. - FEDERAL SHARIAT COURT, Article 203B].

۱۰ اصل عبارت یوں ہے:

Original Jurisdiction of Supreme Court
184. ……………………….
(3) Without prejudice to the provisions of Article 199, the Supreme Court shall, if it considers that a question of public importance with reference to the enforcement of any of the Fundamental Rights conferred by Chapter 1 of Part II is involved, have the power to make an order of the nature mentioned in the said Article. [PART VII The Judicature, CHAPTER 2. - THE SUPREME COURT OF PAKISTAN, Article 184].

۱۱ اصل عبارت یوں ہے:

203C. The Federal Shariat Court
203C. ……………..
(2) The Court shall consist of not more than eight Muslim Judges, including the Chief Justice, to be appointed by the President.
(3) The Chief Justice shall be a person who is, or has been, or is qualified to be, a Judge of the Supreme Court or who is or has been a permanent Judge of a High Court.
(3A) Of the Judges, not more than four shall be persons each one of whom is, or has been, or is qualified to be, a Judge of a High Court and not more than three shall be Ulema who are well-versed in Islamic law.
…………………..
(4B) The President may, at any time, by order in writing,-
(a) modify the term of appointment of a Judge;
(b) assign to a Judge any other office ; and
(c) require a Judge to perform such other functions as the President may deem fit; and pass such other order as he may consider appropriate.
………………….
(7) Before entering upon office, the Chief Justice and a Judge shall make before the President or a person nominated by him oath in the form set out in the Third Schedule. [PART VII the judicature, CHAPTER 3A. - FEDERAL SHARIAT COURT, Article 203c].

۱۲ اس حلف کی اصل عبارت یہ ہے:

1CHIEF JUSTICE] OR 3[JUDGE OF THE
FEDERAL SHARIAT COURT
[Article 203C (7)]
(In the name of Allah, the most Beneficent, the most Merciful.)
I,______________________________, do solemnly swear that as the Chief Justice (or a Judge) of the Federal Shariat Court, I will discharge my duties, and perform my functions, honestly, to the best of my ability and faithfully, in accordance with law;
And that I will not allow my personal interest to influence my official conduct or my official decisions.
May Allah Almighty help and guide me (A'meen).

۱۳ 2001 CLC 158

۱۴ 2001 MLD 577, 2001 YLR 1135, 2001 YLR 38, 2001 MLD 1996

۱۵؎ محمد حسین کیخلاف حبیب بینک لمیٹڈ کا مقدمہ (PLD 1987 Karachi 612)

۱۶؎ 2001 CLC 158

۱۷؎

THE COSTITUTION OF PAKISTAN 1973, With Commentary, comments on article 203G p: 354 & 355.

۱۸؎ اصل عبارت یوں ہے:

Pending proceedings to continue, etc.

203H. (1) Subject to clause (2) nothing in this Chapter shall be deemed to require any proceedings pending in any court or tribunal immediately before the commencement of this Chapter or initiated after such commencement, to be adjourned or stayed by reason only of a petition having been made to the Court for a decision as to whether or not a law or provision of law relevant to the decision of the point in issue in such proceedings is repugnant to the Injunctions of Islam; and all such proceedings shall continue, and the point in issue therein shall be decided, in accordance with the law for the time being in force.

....

(3) Neither the Court nor the Supreme Court shall in the exercise of its jurisdiction under this Chapter have power to grant an injunction or make any interim order in relation to any proceedings pending in any other court or tribunal. [PART VII the judicature, CHAPTER 3A. - FEDERAL SHARIAT COURT, Article 203H].

۱۹؎ اصل عبارت یوں ہے:

Power of Supreme Court to transfer cases

186A. The Supreme Court may, if it considers it expedient to do so in the interest of justice, transfer any case, appeal or other proceedings pending before any High Court to any other High Court. [PART VII The Judicature, CHAPTER 2. - THE SUPREME COURT OF PAKISTAN, Article 186A].

۲۰؎ باب دوم: فصل دوم: دوسرا تناقض

۲۱؎ باب دوم: فصل دوم: تیسرا تناقض

۲۲؎ اصل عبارت یہ ہے:

227. Provisions relating to the Holy Quran and Sunnah

227. (1) All existing laws shall be brought in conformity with the Injunctions of Islam as laid down in the Holy Quran and Sunnah, in this part referred to as the Injunctions of Islam, and no law shall be enacted which is repugnant to such Injunctions.

1[Explanation.-In the application of this clause to the personal law of any Muslim sect, the expression "Quran and Sunnah" shall mean the Quran and Sunnah as interpreted by the sect.]

(2) Effect shall be given to the provisions of clause (1) only in the manner provided in this Part.

(3) Nothing in this Part shall affect the personal laws of non-Muslim citizens or their status as citizens. [PART IX Islamic Provisions, Article 227].

۲۳؎ دستورِ ۱۹۵۶ء، دفعہ ۱۹۳

۲۴؎

THE COSTITUTION OF PAKISTAN 1973, With Commentary, Preliminary, 1965

constitution p: 31.

۲۵
THE COSTITUTION OF PAKISTAN 1973, With Commentary, Preliminary, 1965 constitution p: 30.

۲۶
THE COSTITUTION OF PAKISTAN 1973, With Commentary, Preliminary, 1965 constitution p: 31.

۲۷ اصل نام یہ ہے: Council of Islamic Ideology

۲۸ اصل عبارت یوں ہے:

Functions of the Islamic Council
230. (1) The functions of the Islamic Council shall be-
(a) to make recommendations to Majlis-e-Shoora (Parliament) and the Provincial Assemblies as to the ways and means of enabling and encouraging the Muslims of Pakistan to order their lives individually and collectively in all respects in accordance with the principles and concepts of Islam as enunciated in the Holy Quran and Sunnah;
(b) to advise a House, a Provincial Assembly, the President or a Governor on any question referred to the Council as to whether proposed law is or is not repugnant to the Injunctions of Islam;
(c) to make recommendations as to the measures for bringing existing laws into conformity with the Injunctions of Islam and the stages by which such measures should be brought into effect; and
(d) to compile in a suitable form, for the guidance of Majlis-e-Shoora (Parliament) and the Provincial Assemblies, such Injunctions of Islam as can be given legislative effect.
(2) When, under Article 299, a question is referred by a House, a Provincial Assembly, the President or a Governor to the Islamic Council, the Council shall, within fifteen days thereof, inform the House, the Assembly, the President or the Governor, as the case may be, of the period within which the Council expects to be able to furnish that advice.
(3) Where a House, a Provincial Assembly, the President or the Governor, as the case may be, considers that, in the public interest, the making of the proposed law in relation to which the question arose should not be postponed until the advice of the Islamic Council is furnished, the law may be made before the advice is furnished :
Provided that, where a law is referred for advice to the Islamic Council and the Council advises that the law is repugnant to the Injunctions of Islam, the House or, as the case may be, the Provincial Assembly, the President or the Governor shall reconsider the law so made.
(4) The Islamic Council shall submit its final report within seven years of its appointment, and shall submit an annual interim report. The report, whether interim or final, shall be laid for discussion before both Houses and each Provincial Assembly within six months of its receipt, and Majlis-e-Shoora (Parliament) and the Assembly, after considering the report, shall enact laws in respect thereof within a period of two years of the final report. [PART IX Islamic Provisions, Article 230].

۲۹
THE COSTITUTION OF PAKISTAN 1973, With Commentary, Preliminary, 1965 constitution p: 30.

۳۰ دفعہ ۱۹۳، دستور ۱۹۵۶ء

۳۱
THE COSTITUTION OF PAKISTAN 1973, With Commentary, comments on article 228 p: 385.

۳۲
THE COSTITUTION OF PAKISTAN 1973, With Commentary, Preliminary, 1965 constitution p: 31.

اختتامیہ

میری خواہش ہے کہ کتاب کے اختتام پر چند اہم امور قارئینِ کرام کے گوش گزار کر دوں:

ا۔ پاکستانی ریاست و دستور، تاریخ کے آئینے میں

برصغیر پاک و ہند کے مسلمان بھی اسی المیہ سے دوچار ہوئے جس سے عصرِ حاضر میں دیگر بہت سے علاقوں کے مسلمانوں کو دوچار ہونا پڑا۔ ''المیہ'' سے میری مراد یہ ہے کہ قربانیاں تو ہر جگہ عامۃ المسلمین نے دیں، لیکن ان قربانیوں کے ثمرات کوئی اور لے اڑا۔ قربانیوں کے ایک طویل دور کے بعد جب بھی زمامِ اقتدار سنبھالنے کا مرحلہ آیا تو قیادت پر ایسے طبقات قابض ہو گئے جو امت کے عقائد، امنگوں اور خوابوں میں ان کے شریک نہ تھے۔ اس بدطینت طبقے نے امت کے ساتھ قدم قدم پر وعدہ خلافی کی اور امت کی قربانیوں سے صریح خیانت کی۔

سید احمد شہید رحمہ اللہ کی برپا کردہ تحریکِ مجاہدین کمزور پڑ جانے کے بعد شیخ الہند اور سید حسین احمد مدنی رحمہما اللہ نے از سرِ نو برطانیہ کے خلاف جہادی تحریک کی بنیادیں ڈالیں، لیکن سلطنتِ عثمانیہ سے مدد کے حصول میں ناکامی اور سقوطِ خلافت کے سبب یہ تحریک بھی ناکامی سے دوچار ہوئی اور یہ دونوں حضرات مالٹا میں اسیر ہو گئے۔ پھر ایک مختصر وقفے کے بعد ہند کے مسلمانوں میں ایک عوامی تحریک اٹھی جس نے ہندوؤں (اور انگریزوں) کے ظلم و جبر سے خلاصی کے لئے ایک الگ، آزاد خطۂ زمین کا مطالبہ کیا۔ لیکن دینی مزاج کی حامل اس عوامی تحریکِ آزادی میں کئی ایسے عناصر بھی شامل ہو گئے جو اپنے عقائد و افکار میں عامۃ المسلمین سے بہت مختلف تھے۔

ان عناصر میں انگریزی ثقافت کا تربیت یافتہ اور فرنگی تہذیب کا دلدادہ ایک طبقہ بھی شامل تھا۔ اس طبقے کی ذہنی مرعوبیت کے پیچھے بھی کئی عوامل کارفرما تھے:

(الف) مسلمانوں کی عسکری اور جہادی تحریکیں بظاہر ناکام ہو چکی تھیں، اور یہ تو انسانی فطرت ہے کہ وہ طاقت اور صاحبِ طاقت سے متاثر ہوتا ہے۔

(ب) اس طبقے کی پرورش مغربی نظامِ تعلیم کے تحت ہوئی تھی اور انسان اسی طرزِ زندگی کا خوگر ہوتا ہے جس پر اس کی تربیت ہوئی ہو۔

(ج) عالمِ اسلام سیاسی، اجتماعی اور علمی اعتبار سے شدید بگاڑ کا شکار تھا۔ ظلم و جبر اور خودغرضی عام

ہو چکی تھی، اختیار و اقتدار زور وزبردستی سے غصب کیا جاتا تھا، امر بالمعروف اور نہی عن المنکر جیسے فرائض مٹتے جا رہے تھے اور منافقت، مداہنت، چاپلوسی، بے جا طرف داری اور نا انصافی جیسے رذیل اوصاف پھیل چکے تھے۔ بہت سے علماء ایسی جامد تقلید اختیار کر چکے تھے کہ امراضِ ملت کی دوا ڈھونڈنے کی بجائے حالات سے لاتعلقی اختیار کر لینا ہی ان کا شیوہ بن گیا تھا۔

(د) یہ طبقہ مغرب، بالخصوص انگریز کی اس جھوٹی دعوت پر ایمان لے آیا تھا کہ وہ آزادی، انصاف، مساوات اور مظلوموں کی مدد و نصرت کے علمبردار ہیں...... حالانکہ اللہ گواہ ہے کہ پوری انسانی تاریخ میں مغربی ممالک سے زیادہ ظلم و فساد پھیلانے والا کوئی نہیں گزرا۔ اس پر مستزاد یہ ہے کہ وہ اس بات کی بھی تصدیق کر بیٹھے کہ مغرب کی ظاہری ترقی دین سے دوری اور دین کو محض کلیسا تک محدود کرنے کی مرہونِ منت ہے۔

مغربی عقائد و افکار کا حامل یہ طبقہ امت کو بھی مغربی تہذیب کا دلدادہ بنانے کے لئے مستقل کوشاں رہا، لیکن اسے مشکل یہ درپیش تھی کہ ہند کے مسلمانوں کی تحریکِ آزادی ایک خاص وصف کی حامل تھی جو اسے عالم اسلام میں برپا ہونے والی بہت سی دیگر تحاریک ہائے آزادی سے ممتاز کرتا ہے۔ اس تحریک کا تو بنیادی نعرہ ہی یہ تھا کہ ایک ایسی اسلامی سلطنت قائم کی جائے جو مسلمانوں کی حرمات کی محافظ اور ان کے حقوق کی نگہبان ثابت ہو۔ پس مسلمانانِ ہند کے اس عمومی دینی مزاج کو دیکھتے ہوئے یہ مغرب نواز طبقہ اپنے سیکولر عقائد اور مغربی تہذیب سے اپنی محبت و قربت چھپانے پر مجبور ہوا تا کہ مسلمانوں کی صفوں میں اس کے لئے کچھ جگہ بن سکے۔ یہی نہیں، بلکہ اس طبقے نے مسلمانوں میں مقبولیت حاصل کرنے کے لئے ان کے جذبات سے کھیلا اور طرح طرح کے خوشنما وعدے کر کے انہیں اپنے پیچھے چلایا، کبھی ایک سراب کی سمت دوڑایا اور کبھی دوسرے کی سمت، اور عملاً کتاب و سنت کی حکمرانی قائم کرنے کی بجائے ہمیشہ مستقبل کے عہد و پیماں باندھے۔

چنانچہ یہ بات تو اظہر من الشمس ہے کہ دستورِ پاکستان اور ریاستِ پاکستان کا وجود میں آنا بھی اسی کھیل تماشے کا تسلسل ہے، جس کی دلیل طلب کرنے کی بجائے پاکستان کی ساٹھ سالہ تاریخ پر نگاہ ڈال لینی چاہیے کہ پاکستان کہاں سے چلا تھا اور کن کن مراحل سے گزرتا ہوا آج کہاں آن کھڑا ہے...... بلکہ یوں کہنا بہتر ہوگا کہ...... کس گڑھے میں جا گرا ہے؟ آج پاکستان کی حیثیت امریکی فوج اور امریکی خفیہ

ایجنسیوں کے لیے خدمات مہیا کرنے والی ایک کمپنی کی سی ہے۔اس ملک کے قائدین اور سیاستدانوں کی باگ ڈور کا کُل مقصود یہ ہے کہ کسی طرح اپنے آپ کو''دہشت گردی کے خلاف جنگ'' کے نام پر لڑی جانے والی امریکہ و مغرب کی اسلام دشمن صلیبی مہم میں باقیوں سے بڑھ کر امریکہ کا وفادار ثابت کر پائیں۔امریکہ کی رضا کی خاطر آج دین وعقیدے اور نظریۂ پاکستان سمیت ہر شے قربان کی جا چکی ہے۔

پاکستان بننے کے بعد سے اس حکمران طبقے نے نہ صرف نفاذِ اسلام کے جھوٹے وعدوں پر مشتمل ایک مغربی طرز کا دستور تشکیل دیا ہے، بلکہ اس دستور میں مرحلہ وار ایسی عبارتیں بھی شامل کروائی ہیں جو ان کی بے راہ روی اور فساد کو تحفظ دے سکیں۔ یہ اسی کا نتیجہ ہے کہ ''رشوت'' پاکستان کے سیاسی معاملات میں ایک اہم ترین عامل بن چکی ہے۔ جب بھی کوئی نیا حکمران آتا ہے، تو ارکانِ پارلیمان اور سیاستدانوں کو مٹھی میں لینے کے لئے امت کا مال رشوت کے طور پر بے دردی سے لٹاتا ہے۔ پھر انہی عوامی نمائندوں سے ایسی دستوری ترامیم منظور کرواتا ہے جو اسے ہر قسم کی جواب دہی اور محاسبے سے تحفظ فراہم کرتی ہیں۔

گزشتہ برسوں میں ساری دنیا نے ہی پاکستانی سیاسی اکھاڑے کے تماشے دیکھے کہ کس طرح پرویز مشرف نے فوجی انقلاب کے ذریعے حکومت پر قبضہ کیا اور اس بات کا دعویٰ کیا کہ جلد ہی ملک کو رشوت، فساد اور بدعنوانی سے پاک کر کے ملکی خزانے سے لوٹا ہوا مال سیاستدانوں سے واپس لے گا۔لیکن چند ہی سال بعد اس نے ایسے لوگوں کے ساتھ سیاسی معاہدے کر لئے جنہیں وہ خود کل تک 'چور' کہتا تھا اور پاکستان و یورپ میں ان کے خلاف قانونی چارہ جوئی کرتا پھرتا تھا۔ ان میں سرِ فہرست بے نظیر بھٹو اور آصف زرداری تھے۔ زرداری کو پرویز ہی نے جیل سے رہا کیا اور اس عام معافی پر اعتراض کے جرم میں چیف جسٹس افتخار چوہدری کو معزول کر دیا۔ پھر دنیا کو یہ تماشہ بھی دیکھنے کو ملا کہ چوروں کا سردار......کل کا ''مسٹر ٹین پرسنٹ''......امریکہ کو راضی کر کے صدرِ پاکستان بن گیا، جبکہ اس بدنامِ زمانہ چور کی رہائی پر معترض ہونے والا چیف جسٹس معزول ہی رہا۔ البتہ اس رضا کے حصول کے لئے زرداری کو یہ عہد و پیمان پیشگی طور پر کرنے پڑے کہ وہ امریکہ کی اسلام مخالف جنگ میں اس کے ساتھ ہر ممکن تعاون کرے گا۔ ان چند مثالوں ہی سے یہ بات واضح ہو جاتی ہے کہ پاکستان میں قائم فاسد ریاستی نظام ہر قانون سے بالاتر ہے......شرعی قانون تو دور کی بات، یہ نظام ملک میں رائج خود ساختہ (وضعی) قوانین کی گرفت سے بھی آزاد ہے۔

۲۔ کتاب پر اٹھنے والے ممکنہ شبہات اور ان کا جواب

زیرِ نظر کتاب پر دو بنیادی اشکالات کئے جا سکتے ہیں:

(۱) پاکستان کے آئینی و جمہوری نظام کے خلاف بغاوت دراصل عوام کی حکمرانی کے خلاف بغاوت ہے اور اس کی آڑ میں استبدادی نظام کے غلبے اور فردِ واحد کی حکمرانی کی سمت دعوت دینا مقصود ہے......اور درحقیقت یہ دین کے نام پر لوگوں کی قسمت، حقوق، اموال اور حرمات پر تسلط کی ایک مذموم کوشش ہے۔

(۲) صاحبِ کتاب کا مؤقف ہے کہ پاکستان کے قانونی و دستوری نظام میں اصولی اور مہلک خرابیاں پائی جاتی ہیں، لیکن پاکستان کی بہت سی دینی تحریکوں کے قائدین اور داعیانِ دین اس رائے سے اختلاف رکھتے ہیں۔ ان کے نزدیک پاکستانی نظام اصولی اعتبار سے بالکل ٹھیک ہے اور تمام تر بگاڑ نظام پر قابض حکمران طبقے کا پیدا کردہ ہے۔ یہ لوگ پاکستان کے حالات سے زیادہ آگاہ ہیں اور اصلاحِ احوال کے طریقۂ کار کو زیادہ بہتر طور پر جانتے ہیں......تو پھر مصنف ان سب حضرات کی رائے کو وزن کیوں نہیں دیتے اور اسے کیوں نہیں اپناتے؟ خصوصاً جبکہ پاکستانی نظام کو غیر شرعی قرار دینے کے نتیجے میں تشدد، تصادم اور فتنوں کی آگ بھڑک اُٹھنے کا امکان ہے جس سے تباہی و بربادی کے سوا کچھ نہیں حاصل ہوگا۔

شبہات کا جواب

(۱) پہلے شبہے کا جواب یہ ہے کہ ہم دین کے نام پر استبدادی نظام کے غلبے اور فردِ واحد کی حکمرانی کی دعوت نہیں دے رہے، بلکہ اسے بھی فساد کی ایک شکل اور خلافِ اسلام سمجھتے ہیں۔ ہم تو امت کو شوریٰ اور عدل و انصاف کے سنہرے شرعی اصولوں کی طرف دعوت دیتے ہیں اور تقویٰ و عملِ صالح کے علاوہ کسی بنیاد پر انسانوں میں تفریق کے قائل نہیں۔ ہماری دعوت امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کی طرف دعوت ہے۔ ہماری تو خواہش ہے کہ حاکم و محکوم، ادنیٰ و اعلیٰ، قوی و کمزور، سب بلا تمیز و تفریق شریعت کے سامنے جھک جائیں، امت اپنے حکمران خود شرعی طریقۂ کار کے مطابق چنے اور پھر ان کا محاسبہ بھی اسی انداز میں کرے جیسا کہ خلافتِ راشدہ کے سنہری دور میں ہوا کرتا تھا۔

البتہ ہمیں اندیشہ اس بات کا تھا کہ پاکستان کا حکمران طبقہ ہماری اس پاکیزہ دعوت کو قبول کرنے کے بجائے حاکمیتِ شریعت، اسلامی اخوت اور خلافتِ راشدہ کے احیاء کی کوششوں میں روڑے اٹکائے گا

اور قومی عصبیت، ہوائے نفس کی حاکمیت اور وطنی ریاست کی بقاء پر اصرار کرے گا......اور آج ہم اسی بات کا کھلی آنکھوں سے مشاہدہ کر رہے ہیں۔

(۲) دوسرے شبہے کا جواب یہ ہے کہ:

(الف) اس کتاب میں کوئی ذاتی رائے نہیں پیش کی گئی بلکہ دستورِ پاکستان اور پاکستانی عدالتوں کے فیصلوں ہی سے اس نظام کا اصولی اعتبار سے ایک منحرف و فاسد نظام ہونا ثابت کیا گیا ہے اور بہت سی مثالوں کے ذریعے یہ بات واضح کی گئی ہے کہ پاکستانی دستور و قانون میں شرعی احکامات سے متصادم بہت سا مواد پایا جاتا ہے۔

(ب) کتاب میں بیان کردہ مؤقف کا سب سے بڑا ثبوت خود پاکستان کی عملی صورتِ حال ہے۔ ایک فاسد دستوری و قانونی نظام پر قائم یہ ریاست اپنے قیام کے ساٹھ سال گزرنے کے بعد بھی بد سے بدتر کی طرف گامزن ہے۔ خائنِ ملت فوجی اور سیاسی قائدین یکے بعد دیگرے اسی بہانے کے ساتھ اقتدار پر قابض ہوتے رہے ہیں کہ وہ ملکی سیاست سے بدعنوانی و رشوت ستانی کا خاتمہ کرنے اٹھے ہیں۔ لیکن اقتدار سنبھالنے کے بعد ہر بار وہی مکروہ کھیل دہرایا جاتا ہے......یعنی پہلے سرکاری خزانے سے بھاری رشوتیں دے دے کر سیاست دانوں کی وفاداریاں خریدی جاتی ہیں اور پھر ارکانِ پارلیمان کی غالب اکثریت کو اپنے ساتھ ملا کر ایک نئی آئینی ترمیم منظور کی جاتی ہے جس کے ذریعے حکمرانوں اور ان کے حاشیہ نشینوں کو ہر قسم کی عدالتی کارروائی اور جوابدہی سے تحفظ حاصل ہو جاتا ہے۔ یوں لوٹ مار اور فساد و بگاڑ کا ایک نیا سلسلہ شروع ہو جاتا ہے، جس کے خاتمے کے لئے جلد ہی کوئی دوسرا نجات دہندہ اٹھ کھڑا ہوتا ہے۔

اس سب لوٹ مار کا منطقی نتیجہ یہی نکلا ہے کہ پاکستان اب ایک کرائے کا نوکر بن کر رہ گیا ہے۔ جہاں سے بھی زیادہ پیسے ملیں، ریاستِ پاکستان اسی کو اپنی خدمات پیش کرتی ہے۔ چنانچہ آج پاکستان صلیبی لشکروں کا خادم بن کر اپنے مسلمان پڑوسیوں کو، بلکہ اپنے آپ کو بھی تباہ کر رہا ہے......اور اس سب کے عوض حکمران طبقے کی جیبیں رشوتوں سے بھر رہی ہیں۔ اب خود ہی بتائیے کہ کیا ان سب حقائق سے انکار کرنا ممکن ہے؟ کیا ان میں کسی شک و شبہے کی گنجائش موجود ہے؟ کیا پاکستان اسلام کے خلاف جنگ میں مصروف نہیں؟ کیا پاکستان کے دارالحکومت اسلام آباد میں مساجد و مدارس کو طلباء و طالبات سمیت ملیا

میٹ نہیں کیا گیا؟

(ج) اگر ہم یہ تسلیم کر بھی لیں کہ تمام تر بگاڑ و فساد کا سبب محض حکومت پر قابض حکمران طبقہ ہے، تو بھی یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ کیا امام ابو حنیفہ رحمہ اللہ نے حکمرانوں کے خلاف خروج کرنے والوں کی مدد نہیں کی تھی، حالانکہ وہ حکمران اِن پاکستانی حکمرانوں سے ہزار گنا بہتر تھے؟ کیا امام ابو حنیفہ رحمہ اللہ نے امام زید بن علی رحمہ اللہ اور پھر محمد نفسِ زکیہ اور ان کے بھائی ابراہیم رحمہم اللہ کی مالی امداد نہیں کی تھی؟ خروج کی یہ تحریکیں تو ایسے حکمرانوں کے خلاف تھیں جو جہاد بھی کرتے تھے، نماز بھی قائم کرتے تھے، امر بالمعروف اور نہی عن المنکر پر بھی عامل تھے، شریعت کی حاکمیت اور شرعی نظامِ قضاء بھی قائم کر رکھا تھا۔ ان کا قصور تو صرف یہ تھا کہ انہوں نے اختیارات پر ناجائز طور پہ قبضہ کر رکھا تھا اور لوگوں کا مال باطل طریقے سے کھاتے تھے......لیکن اس کے باوجود بھی امام صاحب رحمہ اللہ نے ان کی تائید و نصرت کی۔

پس اگر آپ کُلی طور پر ہماری موافقت نہ بھی کریں، تو اتنا تو کر ہی سکتے ہیں کہ جرأتِ ایمانی کا مظاہرہ کرتے ہوئے ہمارے فقہی مؤقف کی درستی تسلیم کریں اور ان ظالم و فاجر لوگوں کی صفوں میں شامل ہونے سے انکار کر دیں جو دشمنانِ دین کے ساتھی بن کر ہمارے مقابل کھڑے ہیں۔ آپ کو تو اللہ تعالیٰ نے صادقین سے جا ملنے کا حکم دیا ہے، اہل حق کا ساتھی بن کر باطل پرستوں سے بھڑ جانے، نیکی کا حکم دینے، برائی سے روکنے اور لوگوں کو اسی کی طرف دعوت دینے کی ہدایت کی ہے۔ پس قبائل میں برسرِ پیکار مجاہدین کی حمایت کرنا آپ کا شرعی فریضہ ہے۔ آخر یہی تو وہ فی سبیل اللہ مجاہدین ہیں جو نہ صرف امریکہ اور عالمی صلیبی طاقتوں کے مدِ مقابل ڈٹے ہوئے ہیں، بلکہ اس صلیبی اتحاد کے اساسی رکن...... پاکستان ......کی فوج کے مظالم بھی ثابت قدمی سے برداشت کر رہے ہیں۔ لہٰذا ان حالات میں شریعت کا کم سے کم تقاضا بھی یہ ہے کہ امریکہ کی وفادار اور اسلام سے غدار حکومتوں کے خلاف خروج کرنے والوں کی مخالفت نہ کی جائے۔

یہاں ہم آپ کو ایک مرتبہ پھر امام ابو بکر الجصاص الحنفی رحمہ اللہ کا وہ قول یاد دلاتے ہیں جس میں آپ حکمرانوں کو منکرات سے بزور روکنے پر اعتراض کرنے والوں پر نقد کرتے ہیں۔ آپؒ فرماتے ہیں:

”فإنهم أنكروا قتال الفئة الباغية و الأمر بالمعروف و النهي عن المنكر

بـالسـلاح، و سموا الأمر بالمعروف والنهي عن المنكر فتنة إذا احتيج فيه إلى حـمـل السـلاح و قتـال الـفـئة الباغية، مع ما قد سمعوا فيه من قول الله تعالى: ﴿فَـقَـاتِـلُـوا الَّتِـي تَبْغِيْ حَتَّى تَفِيءَ إلى أَمْرِ اللهِ﴾ و ما يقتضيه اللفظ من وجوب قتالها بالسيف و غيره.

و زعـمـوا مع ذلك أن السلطان لا ينكر عليه الظلم و الجور و قتل النفس التي حرم الله، و إنـمـا ينكر على غير السلطان بالقول أو باليد بغير سلاح، فصاروا شـرًّا عـلى الأمة من أعدائها المخالفين لها؛ لأنهم أقعدوا الناس عن قتال الفئة الباغية و عن الإنكار على السلطان الظلم و الجور.

حتـى أدّى ذلك إلـى تغلّب الفجار بل المجوس و أعداء الإسلام، حتى ذهبت الثغـور، و شـا ع الـظـلـم، و خـربـت البلاد، و ذهب الدين و الدنيا، وظهرت الـزنـدقة و الـغلو و مذاهب الثنوية و الخرّميّة و المَزدَكِيَّة، والذي جلب ذلك كـلـه عليهم ترك الأمر بالمعروف و النهي عن المنكر و الإنكار على السلطان الجائر، و الله المستعان''.

''ان لوگوں نے باغیوں سے قتال اور مسلح قوت کے ذریعے امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کرنے کو غلط کہا ہے۔ ان لوگوں کے نزدیک اگر امر بالمعروف و نہی عن المنکر کی خاطر ضرورت پڑنے پر بھی ہتھیار اٹھائے جائیں تو یہ فتنہ ہوگا۔ اسی طرح یہ لوگ باغی گروہ کے خلاف قتال کو بھی فتنے سے تعبیر کرتے ہیں حالانکہ یہ لوگ اللہ تعالیٰ کا یہ فرمانِ مبارک بھی سن چکے ہیں: ﴿پس بغاوت کرنے والے گروہ سے قتال کرو یہاں تک کہ وہ اللہ کے حکم کی طرف لوٹ آئے﴾

یہ آیت صراحت کے ساتھ تلوار اور دیگر ذرائع سے قتال کرنے کو واجب قرار دے رہی ہے۔

اسی طرح ان کا مؤقف ہے کہ حاکم اگر ظلم و جبر کرے اور لوگوں کو ناحق قتل کرے، تب بھی اسے ٹوکنا درست نہیں۔ البتہ حاکم کے سوا دیگر لوگوں کو زبان اور ہاتھ سے روکا جائے گا، لیکن ان کے خلاف بھی یہ تلوار اٹھانے کے قائل نہیں۔ پس یہ لوگ اس امت کے حق میں اس کے کھلے دشمنوں سے بھی زیادہ مہلک ثابت ہوئے ہیں، کیونکہ انہوں نے امت کو باغی گروہ کے خلاف قتال اور

بادشاہوں کے ظلم و جبر پر انکار سے روک دیا ہے۔

ان کے اس باطل مؤقف کے نتیجے میں فساق و فجار غالب آئے، مجوس اور دیگر دشمنانِ اسلام کے تسلط کی راہ ہموار ہوئی، اسلامی سرحدات پامال ہوئیں، ظلم پھیل گیا، بستیاں برباد ہوئیں، دین و دنیا لٹ گئے اور زندقہ، غلو اور مذاہبِ ثنویہ، خرمیہ اور مزدکیہ پروان چڑھے۔ مسلمانوں پر یہ تمام مصائب مسلط ہونے کا سبب یہی تھا کہ وہ امر بالمعروف، نہی عن المنکر اور ظالم بادشاہ کو ظلم سے روکنا چھوڑ بیٹھے تھے، **واللہ المستعان**''۔[۱]

۳۔ برصغیر میں غلبۂ اسلام کے لئے مطلوب چند عملی اقدامات

خطے کے حالات پر نگاہ ڈالنے سے محسوس ہوتا ہے کہ وہ وقت اب زیادہ دور نہیں جب جنوبی ایشیا میں بالعموم اور پاکستان میں بالخصوص اسلام کو غلبہ نصیب ہو۔ چنانچہ ہم کتاب کے اختتام پر یہ کوشش کریں گے کہ اس منزل کو قریب لانے کے لئے چند عملی تجاویز قارئین کی نذر کرتے چلیں:

(الف) صحیح آگہی پیدا کرنا

صحیح آگہی پیدا کرنے سے یہاں دو باتیں مقصود ہیں:

اولاً، یہ کہ پاکستان میں بسنے والا ہر مسلمان اپنے گرد و پیش کے حالات کا درست فہم حاصل کرے اور گہرائی تک اتر کر معاملات کو ان کی اصل صورت میں دیکھنے کی کوشش کرے۔

پاکستان کے ہر مسلمان کو یہ بات بخوبی سمجھ لینی چاہیے کہ یہ سرزمین اور اس کے مسلمان باسی آج ایک جدید صلیبی صہیونی جنگ کی زد میں ہیں، جو کہ اسلام اور مسلمانوں کے خلاف ایک عالمگیر صلیبی صہیونی مہم کا حصہ ہے۔ انہیں یہ بات بھی جان لینی چاہیے کہ جس ریاست کو ''اسلامی جمہوریہ پاکستان'' کہا جاتا ہے وہ کسی طور بھی اسلامی نہیں ہے، نہ تو اپنی نظریاتی اساس (یعنی دستور) کے اعتبار سے اور نہ ہی اپنے عملی تصرفات کے اعتبار سے۔

زیرِ نظر کتاب میں یہی کوشش کی گئی ہے کہ اختصار کے ساتھ پاکستان کے بنیادی دستوری و قانونی ڈھانچے کا بگاڑ واضح کیا جائے تاکہ اس شبہے کی گنجائش باقی نہ رہے کہ ''پاکستان کا نظام بنیادی طور پر صحیح اصولوں پر قائم ہے، لیکن سارے بگاڑ کا سبب وہ حکمران طبقہ ہے جو ان اصولوں سے بغاوت کرتا ہے''۔

لہٰذا پاکستان میں اسلام کو غالب دیکھنے کے خواہش مند ہر فرد کو جان لینا چاہیے کہ ریاستِ پاکستان دوہرے

بگاڑ پر قائم ہے...... اصولی اعتبار سے بھی یہاں بگاڑ ہے اور عملی لحاظ سے بھی بگاڑ!

یہ حقیقت تسلیم کرنے کا منطقی نتیجہ یہ نکلتا ہے کہ یہ بھی مانا جائے کہ انتخابات اور مروجہ سیاسی ذرائع کے ذریعے قیادت بدلنے سے پاکستان میں اصلاح ممکن نہیں۔ پہلے تو اس اساس کو ٹھیک کرنے کی ضرورت ہے جس پر ریاستِ پاکستان قائم ہے کیونکہ وہی اسلام سے متصادم ہے۔

لہٰذا سب سے پہلے تو یہ دعوت لے کر اٹھنے کی ضرورت ہے کہ پاکستان اور دیگر تمام اسلامی سرزمینوں پر تنہا شریعت ہی کی حاکمیت قائم کی جائے اور یہ حاکمیت ناقابلِ تغیر و تبدل اور ناقابلِ نسخ و ابطال ہو۔ اس حاکمیت کو عوامی منظوری کی حاجت نہ ہو، بلکہ یہ اکثریت کی پسند و ناپسند اور ہر دستور و قانون سے بالاتر ہو۔ ہر وہ قانون اور فیصلہ جو اس سے متصادم ہو بالاصل باطل تصور کیا جائے۔ پھر اس حاکمیتِ اعلیٰ کو نظامِ سلطنت میں ایسے غیر متنازعہ اصول کی حیثیت حاصل ہو جس میں کسی قسم کی ترمیم ممکن نہ ہو، بلکہ یہ اصول نظامِ سلطنت کے تمام شعبہ جات پر حاوی اور ہر قانونی و دستوری شق پر غالب ہو۔ حاکمیتِ شریعت کے اس الٰہی اصول کو یہ اعلیٰ و ارفع حیثیت دینے کے لئے کیا عملی اقدامات کرنا مناسب ہے...... اس کے لئے علمائے شریعت اور داعیانِ دین سے رہنمائی لینی چاہیے۔

اسی طرح مسلمانانِ پاکستان کو یہ بات بھی ذہن نشین کر لینی چاہیے کہ اسلام کا عملی نفاذ لادین، سیکولر اور حدودِ شرع سے آزاد لوگ کبھی نہیں کر سکتے۔ یہ فریضہ تو انہی لوگوں کے ہاتھوں انجام پا سکتا ہے جو حقیقتاً اسلام، صالحیت، امانت اور تقویٰ کی صفات سے متصف ہوں۔ اللہ کے دین کا نفاذ تو ایک عبادت اور بھاری امانت ہے جس کی ادائیگی صرف ایسے افراد ہی کر سکتے ہیں جو مخلص اور متبعِ شرع ہوں۔ وہ جج حضرات جن کی تقرری کے لئے نہ تو اسلام شرط ہے، نہ ہی اتباعِ شریعت اور جو واضح طور پر انتشارِ فکری کا شکار ہیں...... بھلا انہیں پاکستان میں شریعت نافذ کرنے کی ذمہ داری کیسے سونپی جا سکتی ہے؟

اس مسئلے کی پیش بندی کے لئے ضروری ہے کہ دینی و شرعی علوم پڑھانے والے اداروں/مدارس میں ابھی سے ایسا نصاب تشکیل دیا جائے جس سے فارغ التحصیل ہونے والے علمائے کرام قاضی، وکیل اور اسلامی قوانین کے ماہرین بن کر شرعی قضاء، شرعی وکالت، تفتیش و افتاء اور قضاء سے متعلق دیگر اہم خدمات سرانجام دے سکیں۔

پھر ہر صاحبِ بصیرت یہاں یہ سوال بھی اٹھائے گا کہ کیا یہ سب کچھ بہت بنیادی تبدیلی اور نہایت

انقلابی اقدامات اٹھائے بغیر بھی ممکن ہے؟

تاریخ کے مطالعے سے معلوم ہوتا ہے کہ جب بھی انسانی معاشروں اور اقوام میں بگاڑ جڑوں تک سرائیت کر جائے اور علاقوں کے طول و عرض میں فساد پھیل جائے تو بالعموم کسی بہت بڑی انقلابی تحریک کے بغیر اصلاحِ احوال مشکل ہوتا ہے۔ ایسے میں کیا یہ کوئی ممکن امر نظر آتا ہے کہ عالمی صلیبی طاقتیں اور ان کا ہراول دستہ ......یعنی پاکستانی سیاستدان اور فوجی افسران پر مشتمل خائن و مفسد ٹولہ...... آسانی کے ساتھ پاکستان پر سے اپنی گرفت چھوڑ دیں گے اور انہیں ہٹانے کے لئے کسی زوردار مزاحمت اور قوی مقاومت کی ضرورت نہیں پڑے گی؟

ثانیاً، یہ کہ یہ شعور و آگاہی معاشرے میں عام کی جائے تاکہ مطلوبہ تبدیلی لانے کے لئے ایک عوامی تحریک وجود میں آئے جو درست بنیادوں (یعنی شریعت کے عمیق علم اور حالات کے درست فہم) پر کھڑی ہو اور بہت سی دیگر تحریکوں کی طرح کانفرنسز کے سرابوں میں اور سیاست کی دہلیزوں پر خاک نہ چھانتی پھرے۔

(ب) صلیبی یلغار کے مقابل ڈٹی جہادی تحریکوں کی معاونت

آج ہر اس جہادی تحریک کا ساتھ دینا لازم ہے جو عالمِ اسلام کے خلاف لڑی جانے والی حالیہ صلیبی جنگ، بالخصوص پاکستان وافغانستان پر امریکی صلیبی یلغار کے بالمقابل کھڑی، دفاعِ دین وملت میں مصروف ہے۔ ان تحریکات کا ساتھ دینا دو وجوہات سے لازم ہے:

اولاً، یہ کہ افغانستان و پاکستان سے صلیبی حملہ آوروں کو نکالنا ہر پاکستانی پر فرضِ عین ہے۔ یہ شریعت کا ایک واضح حکم ہے جس کی نشر و اشاعت، وضاحت اور تلقین نہایت اہم ہے۔ ۸۰ء کی دہائی میں بہت سے پاکستانی علماء نے یہ فتویٰ صادر کیا تھا کہ تمام اہلِ پاکستان وافغانستان پر جہادِ افغانستان میں شمولیت فرضِ عین ہے اور بوقتِ ضرورت فرضیت کا یہ دائرہ وسیع ہو کر پوری امت کو اپنی لپیٹ میں لے لیتا ہے۔ اگر کل روس کے آنے پر یہ جہاد فرضِ عین تھا تو آج صلیبی امریکیوں کے میدان میں اترنے پر حکم کیسے فرق ہوسکتا ہے؟ بالخصوص جب کہ اس جنگ کا دائرہ روس کے دور سے بھی زیادہ وسیع ہے۔ وہ تو صرف افغانستان پر قابض ہوئے تھے جبکہ انہوں نے پاکستان میں بھی اپنے بڑے بڑے اڈے قائم کر لیے ہیں۔

ثانیاً، یہ بات کسی سے مخفی نہیں کہ آج پاکستان میں عملاً امریکہ ہی کی حکومت اور اسی کا نفوذ و غلبہ

ہے، اور یہ امریکہ ہی ہے جس کے حکم پر اس سرزمین سے اٹھنے والی ہر دینی تحریک کو کچلا جاتا ہے۔ لہٰذا جب تک امریکہ کو پاکستان و افغانستان سے نابود کر کے پاکستان کو امریکی غلامی سے آزاد نہیں کروایا جاتا، یہاں اصلاحِ احوال ناممکن ہے۔

(ج) نفاذِ شریعت کی کوششوں کی تقویت

صدق وامانت کی صفات سے متصف ہر اس صالح گروہ اور جماعت کو ہر ممکن طریقے سے مضبوط کیا جائے جو اپنے علاقوں میں نفاذِ شریعت کے لئے کوشاں ہو۔ ایسے گروہوں کی بھرپور مدد کی جائے تاکہ ان کا اثر ورسوخ چہار اطراف پھیل سکے اور وہ اپنے خلاف مسلط کی گئی تباہ کن جنگوں کا جم کر مقابلہ کر سکیں۔

(د) تمام شعبہ ہائے دین کی دعوت اور عوام کی دینی تربیت کا اہتمام

دعوتِ دین کے تمام پہلو اجاگر کئے جائیں اور عوام کی تربیت اس نہج پر کی جائے کہ وہ عقائد، سلوک اور سیاست میں در آنے والے بگاڑ سے دامن چھڑا کر اپنے آپ کو شرعی آداب واخلاق اور اسلامی عقائد واحکام سے مزین کریں۔ نیز ہر مسلمان کے سامنے یہ بات واضح کی جائے کہ موجودہ کشمکش میں اپنی طاقت ووسعت کے مطابق حصہ لینا اور اپنے حصے کی ذمہ داری ادا کرنا ایک مؤکد فرض ہے۔ بالخصوص داعیانِ دین میں یہ احساس بیدار کیا جائے کہ خائنینِ ملت اور مفسدین فی الارض کے پھیلائے ہوئے فساد وبگاڑ اور ظلم وانحراف کے خلاف ڈٹ کر کھڑا ہونا ان کا فرضِ منصبی ہے۔ پھر یہ انہی داعیانِ دین کی ذمہ داری ہے کہ وہ عوام المسلمین میں بھی مزاحمت کی یہی روح بیدار کریں اور انہیں سمجھائیں کہ ان کا یہ عمل افضل ترین جہاد کے زمرے میں داخل ہے، جیسا کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے:

"أفضل الجهاد كلمة حق عند سلطان جائر".

"افضل ترین جہاد ظالم بادشاہ کے سامنے کلمۂ حق کہنا ہے"۔[۲]

امام ترمذی رحمہ اللہ فرماتے ہیں: یہ حدیث اس سند کے اعتبار سے "حسن غریب" ہے۔[۳]

(ہ) جہاد فی سبیل اللہ

پاکستان اور دیگر مسلم علاقوں میں بسنے والے ہر غیرت مند مسلمان کو یہ حقیقت بخوبی سمجھ لینی چاہیے کہ شریعت کا نفاذ، حقیقی اسلامی نظام کا قیام، صالح وامین قیادت کا ظہور، اسلام کی صحیح دعوت کا فروغ اور ایمانی محبت وباہمی تعاون پر مبنی پاکیزہ معاشرے، عفت وعصمت کے محافظ مضبوط مسلم گھرانے اور صالح مسلم فرد

کا وجود میں آنا...... یہ سب نہ تو جہاد فی سبیل اللہ کے بغیر ہونا ممکن ہے، نہ ہی جہاد کے بغیر ان کا باقی رہنا اور اپنے وجود کی حفاظت کرنا ممکن ہے۔ اللہ تبارک وتعالیٰ کا فرمان ہے:

﴿وَلَوْلَا دَفْعُ اللّٰهِ النَّاسَ بَعْضَهُمْ بِبَعْضٍ لَّفَسَدَتِ الْاَرْضُ وَ لٰكِنَّ اللّٰهَ ذُوْ فَضْلٍ عَلَى الْعٰلَمِيْنَ﴾ (البقرة:۲۵۱)

''اور اگر اللہ تعالیٰ بعض لوگوں کو بعض کے ذریعے دفع نہ کرتا تو زمین فساد سے بھر جاتی، لیکن اللہ تعالیٰ تو جہان والوں پر بہت فضل واحسان کرنے والا ہے''۔

و آخر دعوانا أن الحمد لله رب العالمين، وصلى الله على سيدنا محمد وعلى آله وصحبه وسلم.

حواشی

۱؎ أحكام القرآن للجصاص . سورة آل عمران ، باب فرض الأمر بالمعروف والنهي عن المنكر ۳/۴۶۷، ۴۶۸.

۲؎ تفسير ابن كثير . المائدة الآيات ۷۸ إلى ۸۱ . ۲/۸۵، المستدرك على الصحيحين. كتاب الفتن والملاحم ، حديث رقم ۸۵۴۳ . ۴/۵۵۱، مجمع الزوائد . باب الكلام بالحق عند الحكام ۷/۲۷۲، سنن أبي داود . كتاب الملاحم ، باب الأمر والنهي ، حديث رقم :۴۳۴۴ . ۴/۱۲۴، سنن ابن ماجه . كتاب الفتن ، باب الأمر بالمعروف والنهي عن المنكر، حديث رقم : ۴۰۱۱ و ۴۰۱۲ . ۲/۱۳۲۹، ۱۳۳۰، مسند أحمد . مسند أبي سعيد الخدري ، حديث رقم :۱۱۱۵۹. ۳/۱۹، مسند الحميدي . الجزء السابع أحاديث أبي سعيد الخدري ، حديث رقم: ۷۵۲ ، ۲/۳۳۱، مسند أبي يعلى . مسند أبي سعيد الخدري ، حديث رقم:۱۱۰۱. ۲/۳۵۲، ۳۵۳، مسند ابن الجعد. حماد بن سلمة ، حديث رقم :۳۳۲۶ ۱/۴۸۰، مسند عبد بن حميد . من مسند أبي سعيد الخدري ، حديث رقم : ۸۶۴ ۱/۲۷۳، المعجم الكبير للطبراني . ما أسند أبو أمامة ، من روى عن أبي أمامة من أهل البصرة ، حديث رقم : ۸۰۸۰ و ۸۰۸۱ . ۸/۲۸۱:۲۸۲، مسند الشهاب . أفضل الجهاد كلمة حق عند أمير جائر ، حديث رقم :۱۲۸۶ و ۱۲۸۸. ۲/۲۴۷، ۲۴۸، شعب الإيمان . الثاني والخمسون من شعب الإيمان وهو باب في الأمر بالمعروف والنهي عن المنكر ، ۶/۹۳ والسابع والخمسون من شعب الإيمان وهو باب في حسن الخلق . فصل في ترك الغضب وكظم الغيظ والعفو عند القدرة ، حديث رقم :۸۲۸۹ . ۶/۳۰۹، ۳۱۰، التمهيد لابن عبد البر ۲۱ / ۲۸۶.

۳؎ سنن الترمذي . كتاب الفتن ، باب ما جاء أفضل الجهاد كلمة عدل عند سلطان جائر ، حديث رقم ۲۱۷۴ . ۴/۴۷۱، كشف الخفاء . حرف الهمزة ، حرف الهمزة مع الفاء ، حديث رقم :۴۵۷. ۱/۱۷۳.

مراجع ومصادر

کتب کو ترتیبِ ہجی کے مطابق مرتب کیا گیا ہے۔ ہر کتاب کی طباعت کا بھی اندراج کر دیا گیا ہے تاکہ ڈھونڈنے میں آسانی ہو۔ کسی قسم کا نقص رہ جانے کی صورت میں، میں معزز قارئین سے معذرت خواہ ہوں کیونکہ تصنیف کے دوران میں دربدری اور سکون نہ ملنے کا شکار رہا۔ پس اللہ تعالیٰ ہی کی رضا مطلوب ہے اور بیشک وہی راہ راست کی جانب ہدایت دینے والا ہے۔

۱. الأحاديث المختارة، لضياء الدين أبي عبد الله محمد بن عبد الواحد بن أحمد الحنبلي المقدسي، مكتبة النهضة الحديثة، مكة المكرمة، سنة ۱۴۱۰ھ، الطبعة الأولى. نقلاً عن:المكتبة الألفية للسنة النبوية (الإصدار ۱،۵)، مركز التراث لأبحاث الحاسب الآلي ، ۱۴۱۹ھ- ۱۹۹۹م ، عمان.

۲. أحكام القرآن، لأحمد بن علي الرازي الجصاص أبي بكر، دار إحياء التراث العربي، بيروت، سنة ۱۴۰۵ھ. نقلاً عن :مكتبة التفسير و علوم القرآن، مركز التراث لأبحاث الحاسب الآلي، ۱۴۱۹ھ- ۱۹۹۹م، عمان.

۳. أضواء البيان، للشيخ محمد أمين الشنقيطى.

۴. اقتضاء الصراط المستقيم مخالفة أصحاب الجحيم، لأحمد بن عبد الحليم بن تيمية الحراني أبي العباس، مطبعة السنة المحمدية، القاهرة، سنة ۱۳۶۹ھ، الطبعة الثانية. نقلاً عن :مؤلفات شيخ الإسلام ابن تيمية (الإصدار الثاني)، مركز التراث لأبحاث الحاسب الآلي، ۱۴۲۱ھ- ۲۰۰۰م، عمان.

۵. الأم، لمحمد بن إدريس الشافعي أبي عبد الله ، دار المعرفة، بيروت، سنة ۱۳۹۳ھ، الطبعة الثانية . نقلاً عن:المكتبة الألفية للسنة النبوية (الإصدار ۱،۵)، مركز التراث لأبحاث الحاسب الآلي، ۱۴۱۹ھ- ۱۹۹۹م، عمان.

٦. بدائع الصنائع في ترتيب الشرائع، لعلاء الدين الكاساني، دار الكتاب العربي، بيروت، سنة ۱۹۸۲م، الطبعة الثانية. نقلاً عن:مكتبة الفقه و أصوله (الإصدار ۱،۵)،

مركز التراث لأبحاث الحاسب الآلي، ۱۴۱۹ھ- ۱۹۹۹م، عمان .
۷. البداية والنهاية، لإسماعيل بن عمر بن كثير القرشي أبي الفداء، مكتبة المعارف، بيروت. نقلاً عن :مكتبة التاريخ والحضارة الإسلامية، الإصدار الأول، ۱۴۱۹ھ- ۱۹۹۹م، مركز التراث لأبحاث الحاسب الآلي، عمان.
۸. تاريخ الأمم والملوك، لمحمد بن جرير الطبري أبي جعفر، دار الكتب العلمية، بيروت ، سنة ۱۴۰۷ھ، الطبعة الأولى. نقلاً عن :مكتبة التاريخ والحضارة الإسلامية، الإصدار الأول، ۱۴۱۹ھ- ۱۹۹۹م، مركز التراث لأبحاث الحاسب الآلي، عمان.
۹. تاريخ الخلفاء، لعبد الرحمن بن أبي بكر السيوطي، مطبعة السعادة، مصر، سنة ۱۳۷۱ھ - ۱۹۵۲م، الطبعة الأولى. نقلاً عن :مكتبة التاريخ والحضارة الإسلامية، الإصدار الأول، ۱۴۱۹ھ- ۱۹۹۹م، مركز التراث لأبحاث الحاسب الآلي، عمان.
۱۰. تفسير القرآن العظيم، لإسماعيل بن عمر بن كثير القرشي أبي الفداء، دار الفكر، بيروت، ۱۴۰۱ھ. نقلاً عن :المكتبة الألفية للسنة النبوية (الإصدار ۱،۵)، مركز التراث لأبحاث الحاسب الآلي،۱۴۱۹ھ- ۱۹۹۹م، عمان .
۱۱. التقرير الإستراتيجي العربي لسنة ۱۹۹۳م، مركز الدراسات السياسية والإستراتيجية بالأهرام، القاهرة، ۱۹۹۴م.
۱۲. الجامع لأحكام القرآن، لمحمد بن أحمد بن أبي بكر بن فرح القرطبي أبي عبد الله، دار الشعب، القاهرة، سنة ۱۳۷۲ھ، الطبعة الثانية. نقلاً عن :المكتبة الألفية للسنة النبوية (الإصدار ۱،۵)، مركز التراث لأبحاث الحاسب الآلي، ۱۴۱۹ھ- ۱۹۹۹م، عمان .
۱۳. جامع البيان عن تأويل آي القرآن، لمحمد بن جرير بن يزيد بن خالد الطبري أبي جعفر، دار الفكر ،بيروت، سنة ۱۴۰۵ھ. نقلاً عن :المكتبة الألفية للسنة النبوية (الإصدار ۱،۵). مركز التراث لأبحاث الحاسب الآلي، ۱۴۱۹ھ- ۱۹۹۹م، عمان .
۱۴. الجامع الصحيح سنن الترمذي، لمحمد بن عيسى أبي عيسى الترمذي السلمي، دار إحياء التراث العربي، بيروت. نقلاً عن :المكتبة الألفية للسنة النبوية (الإصدار

۱،۵)، مركز التراث لأبحاث الحاسب الآلي، ۱۴۱۹ھ- ۱۹۹۹م، عمان.

۱۵. الجامع الصحيح المختصر، لمحمد بن إسماعيل أبي عبد الله البخاري الجعفي، دار ابن كثير، اليمامة، بيروت، سنة ۱۴۰۷ھ - ۱۹۸۷م، الطبعة الثالثة. نقلاً عن: المكتبة الألفية للسنة النبوية (الإصدار ۱،۵)، مركز التراث لأبحاث الحاسب الآلي، ۱۴۱۹ھ - ۱۹۹۹م، عمان.

۱۶. الحرية أو الطوفان، دراسة موضوعية للخطاب السياسي الشرعي ومراحله التاريخية، للدكتور حاكم المطيري، ۲۰۰۳م.

۱۷. زاد المنتهي شرح الجامع الترمذي، للشيخ المفتي محمود، إعداد المفتي خالد شاه جهانكيروي، بإشراف الشيخ شير علي شاه المدني، الجامعة الحقانية، كلية الحديث و علومه، ۱۴۲۵ھ.

۱۸. السلسلة الصحيحة، لمحمد ناصر الدين الألباني، برنامج منظومة التحقيقات الحديثية المجاني، من إنتاج مركز نور الإسلام لأبحاث القرآن والسنة بالإسكندرية. نقلاً عن موسوعة المكتبة الشاملة، الإصدار الثاني، http://www.waqfeya.net/shamela

۱۹. سنن أبي داود، لسليمان بن الأشعث أبي داود السجستاني الأزدي، دار الفكر. نقلاً عن: المكتبة الألفية للسنة النبوية (الإصدار ۱،۵)، مركز التراث لأبحاث الحاسب الآلي، ۱۴۱۹ھ- ۱۹۹۹م، عمان.

۲۰. سنن البيهقي الكبرى، لأحمد بن الحسين بن علي بن موسى أبي بكر البيهقي، مكتبة دار الباز، مكة المكرمة، سنة ۱۴۱۴ھ- ۱۹۹۴م. نقلاً عن: المكتبة الألفية للسنة النبوية (الإصدار ۱،۵)، مركز التراث لأبحاث الحاسب الآلي، ۱۴۱۹ھ- ۱۹۹۹م، عمان.

۲۱. سنن سعيد بن منصور، لسعيد بن منصور، دار العصيمي، الرياض، سنة ۱۴۱۴ھ، الطبعة الأولى. نقلاً عن: المكتبة الألفية للسنة النبوية (الإصدار ۱،۵)، مركز التراث لأبحاث الحاسب الآلي، ۱۴۱۹ھ- ۱۹۹۹م، عمان.

۲۲. سیر أعلام النبلاء، لمحمد بن أحمد بن عثمان بن قايماز الذهبي أبي عبد اللّٰه، مؤسسة الرسالة، بيروت، سنة ۱۴۱۳هـ، الطبعة التاسعة. نقلاً عن: المكتبة الألفية للسنة النبوية (الإصدار ۱،۵)، مركز التراث لأبحاث الحاسب الآلي، ۱۴۱۹هـ- ۱۹۹۹م، عمان.

۲۳. سيرة ابن هشام، من موقع الإسلام، http://www.al-islam.com. نقلاً عن موسوعة المكتبة الشاملة، الإصدار الثاني، http://www.waqfeya.net/shamela

۲۴. شعب الإيمان، لأبي بكر أحمد بن الحسين البيهقي، دار الكتب العلمية، بيروت، سنة ۱۴۱۰هـ، الطبعة الأولى. نقلاً عن: المكتبة الألفية للسنة النبوية (الإصدار ۱،۵)، مركز التراث لأبحاث الحاسب الآلي،۱۴۱۹هـ- ۱۹۹۹م، عمان.

۲۵. صحيح و ضعيف سنن أبي داود، لمحمد ناصر الدين الألباني، برنامج منظومة التحقيقات الحديثية المجاني، من إنتاج مركز نور الإسلام لأبحاث القرآن والسنة بالإسكندرية. نقلاً عن: موسوعة المكتبة الشاملة، الإصدار الثاني، http://www.waqfeya.net/shamela

۲۶. صحيح مسلم، لمسلم بن الحجاج أبي الحسين القشيري النيسابوري، دار إحياء التراث العربي، بيروت. نقلاً عن: المكتبة الألفية للسنة النبوية (الإصدار ۱،۵)، مركز التراث لأبحاث الحاسب الآلي، ۱۴۱۹هـ- ۱۹۹۹م، عمان.

۲۷. الطبقات الكبرى، لمحمد بن سعد بن منيع أبي عبد اللّٰه البصري الزهري، دار صادر، بيروت. نقلاً عن: المكتبة الألفية للسنة النبوية (الإصدار ۱،۵)، مركز التراث لأبحاث الحاسب الآلي، ۱۴۱۹هـ- ۱۹۹۹م، عمان.

۲۸. عمدة التفسير مختصر تفسير ابن كثير، للشيخ أحمد شاكر.

۲۹. فتح الباري شرح صحيح البخاري، لأحمد بن علي بن حجر أبي الفضل العسقلاني الشافعي، دار المعرفة، بيروت، سنة ۱۳۷۹هـ. نقلاً عن: المكتبة الألفية للسنة النبوية (الإصدار ۱،۵)، مركز التراث لأبحاث الحاسب الآلي، ۱۴۱۹هـ- ۱۹۹۹م، عمان.

۳۰. فتح القدير الجامع بين فني الرواية والدراية من علم التفسير، لمحمد بن علي الشوكاني، دار الفكر، بيروت. نقلاً عن:مكتبة علماء الإسلام ، الإصدار الأول، مركز التراث لأبحاث الحاسب الآلي، ۱۴۲۱ھ- ۲۰۰۱م، عمان.

۳۱. الفصل في الأهواء والملل والنحل، لأبي محمد بن حزم.

۳۲. الكامل في التاريخ، لمحمد بن محمد بن عبد الواحد الشيباني أبي الحسن عز الدين ابن الأثير، دار الكتب العلمية ، بيروت، سنة ۱۴۱۵ھ - ۱۹۹۵م، مركز التراث لأبحاث الحاسب الآلي، عمان.

۳۳. كتاب الروضتين في أخبار الدولتين النورية والصلاحية، لشهاب الدين عبد الرحمن بن إسماعيل بن إبراهيم المقدسي الدمشقي، مؤسسة الرسالة، بيروت، سنة ۱۹۹۷م، الطبعة الأولى. نقلاً عن:مكتبة التاريخ والحضارة الإسلامية ، الإصدار الأول، ۱۴۱۹ھ- ۱۹۹۹م، مركز التراث لأبحاث الحاسب الآلي، عمان.

۳۴. كشف الخفاء ومزيل الإلباس عما اشتهر من الأحاديث على ألسنة الناس، لإسماعيل بن محمد العجلوني الجراحي، مؤسسة الرسالة، بيروت، سنة ۱۴۰۵ھ، الطبعة الرابعة. نقلاً عن:المكتبة الألفية للسنة النبوية (الإصدار ۱،۵)، مركز التراث لأبحاث الحاسب الآلي،۱۴۱۹ھ- ۱۹۹۹م، عمان.

۳۵. كلمة حق:مرافعة الشيخ عمر عبد الرحمن في قضية الجهاد للشيخ عمر عبد الرحمن، منبر التوحيد والجهاد. www.alsunnah.info، www.tawhed.ws، www.almaqdese.com

۳٦. كنز العمال، للمتقي الهندي. نقلاً عن:موسوعة المكتبة الشاملة، الإصدار الثاني، http://www.waqfeya.net/shamela

۳۷. مجمع الزوائد و منبع الفوائد، لعلي بن أبي بكر الهيثمي، دار الريان للتراث ودار الكتاب العربي، القاهرة وبيروت. نقلاً عن:المكتبة الألفية للسنة النبوية (الإصدار ۱،۵)، مركز التراث لأبحاث الحاسب الآلي،۱۴۱۹ھ- ۱۹۹۹م، عمان.

۳۸. مجموع الفتاوى، لأحمد عبد الحليم بن تيمية الحراني أبي العباس، مكتبة ابن تيمية، القاهرة. نقلاً عن:مكتبة الفقه و أصوله (الإصدار ۱،۵)، مركز التراث لأبحاث الحاسب الآلي، ۱۴۱۹ھ– ۱۹۹۹م، عمان.

۳۹. المحلى، لعلي بن أحمد بن سعيد بن حزم الظاهري أبي محمد، دار الآفاق الجديدة، بيروت. نقلاً عن:المكتبة الألفية للسنة النبوية (الإصدار ۱،۵)، مركز التراث لأبحاث الحاسب الآلي، ۱۴۱۹ھ– ۱۹۹۹م، عمان.

۴۰. المستدرك على الصحيحين، لمحمد بن عبد اللّٰه أبي عبد اللّٰه الحاكم النيسابوري، دار الكتب العلمية، بيروت، سنة ۱۴۱۱ھ– ۱۹۹۰م، الطبعة الأولى. نقلاً عن: المكتبة الألفية للسنة النبوية (الإصدار ۱،۵)، مركز التراث لأبحاث الحاسب الآلي،۱۴۱۹ھ– ۱۹۹۹م، عمان.

۴۱. مسند أبي يعلى، لأحمد بن علي بن المثنى أبي يعلى الموصلي التميمي، دار المأمون للتراث، دمشق، سنة ۱۴۰۴ھ– ۱۹۸۴م، الطبعة الأولى. نقلاً عن:المكتبة الألفية للسنة النبوية (الإصدار ۱،۵)، مركز التراث لأبحاث الحاسب الآلي، ۱۴۱۹ھ– ۱۹۹۹م، عمان.

۴۲. مسند الإمام أحمد بن حنبل أبي عبد اللّٰه الشيباني، مؤسسة قرطبة، مصر. نقلاً عن:المكتبة الألفية للسنة النبوية (الإصدار ۱،۵)، مركز التراث لأبحاث الحاسب الآلي، ۱۴۱۹ھ– ۱۹۹۹م، عمان.

۴۳. مشكاة المصابيح، لمحمد بن عبد اللّٰه الخطيب التبريزي، المكتب الإسلامي، بيروت، الطبعة الثالثة، ۱۴۰۵ھ– ۱۹۸۵م، تحقيق محمد ناصر الدين الألباني. نقلاً عن: موسوعة المكتبة الشاملة، الإصدار الثاني، http://www.waqfeya.net/shamela

۴۴. المصنف، لأبي بكر عبد الرزاق بن همام الصنعاني، المكتب الإسلامي، بيروت، سنة ۱۴۰۳ھ، الطبعة الثانية. نقلاً عن:المكتبة الألفية للسنة النبوية (الإصدار ۱،۵)،

مركز التراث لأبحاث الحاسب الآلي، ۱۴۱۹ھـ– ۱۹۹۹م، عمان.

۴۵. المصنف في الأحاديث والآثار، لأبي بكر عبد اللّٰه بن محمد بن أبي شيبة الكوفي رحمة اللّٰه، مكتبة الرشد، الرياض. نقلاً عن: المكتبة الألفية للسنة النبوية (الإصدار ۱،۵)، مركز التراث لأبحاث الحاسب الآلي، ۱۴۱۹ھـ– ۱۹۹۹م، عمان.

۴۶. المعجم الأوسط، لسليمان بن أحمد بن أيوب أبي القاسم الطبراني، دار الحرمين، القاهرة، سنة ۱۴۱۵ھـ. نقلاً عن: المكتبة الألفية للسنة النبوية (الإصدار ۱،۵)، مركز التراث لأبحاث الحاسب الآلي، ۱۴۱۹ھـ– ۱۹۹۹م، عمان.

۴۷. المعجم الكبير، لسليمان بن أحمد بن أيوب أبي القاسم الطبراني، مكتبة العلوم والحكم، الموصل، سنة ۱۴۰۴ھـ– ۱۹۸۳م، الطبعة الثانية. نقلاً عن: المكتبة الألفية للسنة النبوية (الإصدار ۱،۵)، مركز التراث لأبحاث الحاسب الآلي، ۱۴۱۹ھـ– ۱۹۹۹م، عمان.

۴۸. معرفة السنن والآثار، لأبي بكر أحمد بن الحسين بن علي بن عبد اللّٰه بن موسى الخسروجردي البيهقي، مصدر الكتاب: موقع جامع الحديث، http://www.alsunnah.com نقلاً عن: موسوعة المكتبة الشاملة، الإصدار الثاني، http://www.waqfeya.net/shamela

۴۹. منهاج السنة النبوية، لأحمد بن عبد الحليم بن تيمية الحراني أبي العباس، مؤسسة قرطبة، سنة ۱۴۰۶ھـ، الطبعة الأولى. نقلاً عن: مؤلفات شيخ الإسلام ابن تيمية (الإصدار الثاني)، مركز التراث لأبحاث الحاسب الآلي، ۱۴۲۱ھـ– ۲۰۰۰م، عمان.

۵۰.

THE CONSTITUTION OF THE ISLAMIC REPUBLIC OF PAKISTAN [As modified upto the 31st July, 2004], NATIONAL ASSEMBLY OF PAKISTAN.

۵۱.

THE CONSTITUTION OF PAKISTAN 1973, With Commentary, By M. RAFIQ BUTT, 2007, Mansoor Book House, Lahore.

۵۲.

IN THE LINE OF FIRE, A MEMOIR, By PERVEZ MUSHARRAF, published by Simon & Schuster UK, 2006.